eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

جلد: 14 شمارہ: 1 مسلسل شمارہ: 59 جنوری تا مارچ 2023

★ زیدیہ: ایک مختصر تعارف
★ اقبالؒ اور تصوف: چند کج فہمیوں کا ازالہ
★ اَلْمَحَجَّةُ الْبَیْضاء فی تَھذِیبِ الْاِحیاء: ایک تبصرہ
★ محافظتِ دین میں خواتین کا کردار اور ذمہ داریاں
★ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں اسلامی تمدن کی تاسیس
★ مسلم سماج کے اخلاقی ارتقاء میں اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند کی تاثیر

ناشر: نور تحقیق و ترقی پرائیویٹ لمیٹڈ

Indexed in

www.australianislamiclibrary.org/noor-e--marfat.html

ISLAMIC RESEARCH INDEX

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/?page_id=37857

https://www.archive.org/details/@noor-e-marfat

https://www.tehqeeqat.org/urdu/journalDetails/132

https://www.ebsco.com/

https://orcid.org/0000-0001-593-4436

Applied for Indexation

https://www.brill.com

https://www.noormag.ir

https://www.almanhal.com

https://www.scienceopen.com

https://www.aiou.academia.edu/NooreMarfat

https://www.scholar.google.com/

Websites

http://nooremarfat.com

https://www .nmt.org.pk/

کمپوزنگ وڈیزائننگ: بابر عباس

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

جلد: 14 شمارہ: 1 مسلسل شمارہ: 59

جنوری تا مارچ 2023ء بمطابق جمادی الثانی تا شعبان المعظم 1444ھ

Applied for Recognition by:
Higher Education Commission, Pakistan

مدیر: ڈاکٹر محمد حسنین نادر

ORCID iD: https://orcid.org/0000-0002-1002-153X

E-mail: editor.nm@nmt.org.pk + noor.marfat@gmail.com

ناشر: نور تحقیق و ترقی پرائیویٹ لمیٹڈ

مدیر اعلیٰ و ناشر: **سید حسنین عباس گردیزی** چیئرمین نور الہدیٰ ٹرسٹ، اسلام آباد۔

مجلس نظامت

مدیر	**ڈاکٹر محمد حسنین نادرؔ**	پی۔ ایچ۔ ڈی۔ فلسفہ و کلام اسلامی، نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، اسلام آباد۔
معاون مدیر	**ڈاکٹر ندیم عباس بلوچ**	پی۔ ایچ۔ ڈی، اسلامک اسٹڈیز، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔
معاون تحقیقی امور	**ڈاکٹر محمد نذیر اطلسی**	پی۔ ایچ۔ ڈی۔ علوم قرآن، جامعۃ الرضا (رجسٹرڈ)، اسلام آباد۔
مشاور مدیر	**ڈاکٹر ساجد علی سبحانی**	پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ادبیات عرب، جامعۃ الرضا (رجسٹرڈ) اسلام آباد۔
نگران فنی امور	**ڈاکٹر ذیشان علی**	پی۔ ایچ۔ ڈی، کمپیوٹر سائنسز۔
معاون فنی امور	**فہد عبید**	ایم۔ ایس (سی۔ ایس)

مجلس ادارت

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد	شعبۂ علوم اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر عائشہ رفیق	شعبۂ علوم اسلامی، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ۔
ڈاکٹر عبدالباسط مجاہد	شعبۂ تاریخ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر روشن علی	شعبۂ علوم اسلامی، اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز، اسلام آباد۔
ڈاکٹر کرم حسین ودھو	شعبۂ ثقافتِ اسلامی، ریجنل ڈائریکٹوریٹ آف کالجز، لاڑکانہ۔
ڈاکٹر علی رضا طاہر	شعبۂ فلسفہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔
ڈاکٹر ذوالفقار علی	شعبۂ تاریخ، نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد۔
ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی	شعبۂ اقتصادیات (الٰہی اقتصادیات)، چیئرمین ہادی انسٹیٹیوٹ مظفر آباد، آزاد جموں و کشمیر۔

قومی مجلس مشاورت

ڈاکٹر ہمایوں عباس	شعبۂ علوم اسلامی، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد۔
ڈاکٹر حافظ طاہر اسلام	شعبۂ علوم اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر عافیہ مہدی	شعبۂ علوم اسلامی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔
ڈاکٹر سید قندیل عباس	شعبۂ بین الاقوامی تعلقات، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر زاہد علی زہدی	شعبۂ علوم اسلامی، یونیورسٹی آف کراچی۔
ڈاکٹر محمد ریاض	شعبۂ علوم اسلامی، بلتستان یونیورسٹی، اسکردو۔
ڈاکٹر محمد شاکر	شعبۂ نفسیات اور انسانی ترقی، یونیورسٹی آف بہاولپور۔
ڈاکٹر محمد ندیم	شعبۂ ایجوکیشن، گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج، بہاولپور۔
ڈاکٹر رازق حسین	نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد۔

بین الاقوامی مجلس مشاورت

ڈاکٹر وارث متین مظاہری	شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ ہمدرد، نیو دلی، انڈیا۔
ڈاکٹر سید زوار حسین شاہ	شعبۂ علوم قرآنی و حدیث، انجمن حسینی، اوسلو، ناروے۔
ڈاکٹر سید عمار یاسر ہمدانی	شعبۂ قرآن و قانون، المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی ایران۔
ڈاکٹر غلام رضا جوادی	شعبۂ تاریخ، خاتم النبینؐ یونیورسٹی، کابل، افغانستان۔
ڈاکٹر جابر محمدی	شعبۂ قرآن اور تربیتی علوم، جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم، ایران۔
ڈاکٹر غلام حسین میر	شعبۂ علوم تقابلی حدیث، جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم، ایران۔
ڈاکٹر شہلا بختیاری	شعبۂ تاریخ اسلام، جامعۃ الزہراء، تہران، ایران۔
ڈاکٹر فیضان جعفر علی	اردو و فارسی تنظیم، پورہ معروف، ایم۔اے۔یو، یو۔پی انڈیا۔

مقالات ارسال فرمائیں

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ "نور معرفت" دینی و سماجی علوم وموضوعات پر مقالات شائع کرتا ہے۔ یہ مجلّہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر معاشرتی رواداری اور ادیان ومذاہب کے درمیان تعمیری مکالمے کی فضا کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عدل وانصاف پر مبنی عالمی اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے فکری بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اس مجلے کا ایک اہم ہدف، یونیورسٹیز اور دینی تعلیمی مراکز ومدارس کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان تحقیقی ذوق بیدار کرنا اور ان کے تحقیقی آثار شائع کرنا ہے۔ ایسے مقالات کی اشاعت کو ترجیح دی جاتی ہے جو تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سالمیّت، ملّی یکجہتی اور مذہبی، سماجی رواداری اور محبت کو فروغ دیں اور عصر حاضر کے انسانوں کی عملی مشکلات کا راہ حل پیش کرتے ہوں۔

تفسیر و علوم قرآن، حدیث ورجال، فقہ واصول، فلسفہ وکلام، سیرت وتاریخ، تقابل ادیان، تعلیم وتربیت، ادبیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، تہذیب وتمدن، اسلامی قوانین اور بطور کلی، کسی بھی موضوع پر اسلامی نکتۂ نگاہ سے لکھے گئے مقالات کی مجلّہ ہذا میں اشاعت بلا مانع ہے۔ یہ مجلّہ علماء اور دانشور طبقہ کو دعوت دیتا ہے کہ وہ مجلّہ کے Scope کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے قیمتی مقالات اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔ مقالات کی تدوین میں درج ذیل ویب لنک پر دی گئی ہدایات کی مکمل پابندی کی جائے:

https://nmt.org.pk/author-guidelines/

تمام مقالہ نگاروں سے گذارش ہے کہ اپنے مقالات درج ذیل ویب لنک پر Submit کروائیں:

https://nooremarfat.com/index.php/Noor-e-marfat/about/submissions

ضروری نوٹ:

مجلّہ نور معرفت میں شائع ہونے والے مقالات کے مندرجات کی ذمہ داری خود مقالہ نگاروں پر ہے۔
مجلّہ کا مقالات کے تمام مندرجات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مقالہ نگار	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	6
۲	مسلم سماج کے اخلاقی ارتقاء میں اللہ تعالی کی پسند و ناپسند کی تاثیر	محمد فرقان گوہر	9
۳	پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت میں اسلامی تمدن کی بنیاد	ڈاکٹر محمد حسین مقیسہ	25
۴	اقبالؒ اور تصوف: بعض غلط فہمیوں کا ازالہ	سیدہ طیبہ رباب	45
۵	زیدیہ؛ ایک مختصر تعارف	امجد عباس مفتی	64
۶	محافظتِ دین میں خواتین کے کردار اور ذمہ داریوں کا ایک مختصر جائزہ	سیدہ شمائلہ رباب رضوی	74
۷	کتاب شناسی	سید رمیز الحسن موسوی	92
8	Editorial	Editor	106

اداریہ

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ نور معرفت کا شمارہ 59 پیش خدمت ہے جس کا پہلا مقالہ " مسلم سماج کے اخلاقی ارتقاء میں اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند کی تاثیر "کے عنوان سے آراستہ ہے۔ یہ مقالہ — جس کا دوسرا حصہ آئندہ شمارے میں چھپے گا — مدعی ہے کہ قرآن کریم نے انسانی سماج کی اجتماعی تربیت اور اخلاقی ارتقاء کا مکمل سامان فراہم کیا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق اللہ تعالیٰ کی محبت اور عدمِ محبت یا "حُبّ" اور "لاحُبّ" درحقیقت، انسان کی اُن صفات کے گرد گھومتی ہے جو سماجی اور اخلاقی طور پر فضیلت یا رذیلت قرار پاتی ہیں۔ لہٰذا "حُبّ" اور "لاحُبّ" کی آیات کی روشنی میں ایک برتر مسلم سماج کا نظامِ حیات ترسیم کیا جا سکتا ہے۔اِس مقالہ کے پیشِ نظر حصہ میں یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ اللہ کی محبت کی حقیقت کیا ہے اور یہ ایک فرد یا معاشرہ پر کیا اثرات چھوڑتی ہے؟ یقیناً اس مقالے کا مطالعہ ہمارے سماجی-اخلاقی روّیوں کی اصلاح میں مددگار اور معاون ثابت ہوگا۔

رہبر انقلاب اسلامی ایران، آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای مدّظلہ کی نگاہ میں " پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت میں اسلامی تمدن کی تأسیس"۔کے عنوان سے دوسرا مقالہ بھی اسلامی سماج کی تشکیل اور ارتقاء میں پیغمبر اکرم ﷺ کی تعلیمات اور سیرت و کردار کی نقش آفرینی کی روئیداد بیان کرتا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق رہبرِ انقلاب اسلامی ایران آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای مدّظلہ نے اِس موضوع پر کامل ترین بیانات اور مکتوبات پیش کیے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی ولادت سے وفات تک، زندگی کے تمام مراحل کا احاطہ کرتے ہیں۔ رہبرِ انقلاب نے آنحضرت ﷺ کی سیرت و کردار کے تین ستون بیان کیے ہیں: یعنی آپ ﷺ کے ہاتھوں توحید پرستی، اخلاقیات اور اسلامی تمدن کی تأسیس۔ رہبرِ انقلاب کے مطابق پیغمبر اکرم ﷺ نے توحید اور اخلاقیات کی بنیاد پر اسلامی تمدن کی داغ بیل ڈالی ہے۔ یقیناً یہ مقالہ بھی سماجی اصلاحات کے داعی دانشوروں اور سیاستدانوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

" اقبالؒ اور تصوّف: چند کج فہمیوں کا ازالہ "کے عنوان سے اس شمارے کے تیسرے مقالے کا مدعا یہ ہے کہ یہ عمومی تاثر کہ علامہ اقبالؒ تصوّف کے مخالف ہیں، درست نہیں۔ اگرچہ علامہ اقبالؒ نے روایتی تصوّف کی مخالفت کی ہے، لیکن آپ رُوحِ تصوّف کے مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ اقبالؒ نے بذاتِ خود صوفیاء کی بعض تعلیمات کی تعلیم دی ہے۔ مثال کے طور پر زہد اور گوشہ نشینی کے فلسفے کی تکمیل اور ترغیب۔ اقبالؒ نے آنحضرت ﷺ کی غارِ حرا کی گوشہ نشینی سے الہام لیتے ہوئے خودی کی تربیت کے لئے محفلوں کی رونق کے ترک کو لازم قرار دیا ہے۔ اُن کا جہاد بالنفس اور فقر کا تصوّر بھی صوفیاء کی بعض تعلیمات کے بہت قریب ہے۔ نیز اقبالؒ سیر و سلوک کی وادی میں بھی

یک "انسانِ کامل" کے ارشاد و ہدایت کے ویسے قائل ہیں جیسے صوفیاء "پیرِ طریقت" اور "مرشدِ کامل" کے مریدی کے قائل ہیں۔ بنابریں، یہ کلی حکم صادر کرنا کہ اقبال تصوّف کے مخالف ہیں، درست نہیں ہے۔

چوتھے مقالے کا موضوع "زیدیہ: ایک مختصر تعارف" ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق اِس فرقے کے پیروکار ابھی تک یمن اور دیگر مختلف جگہوں پر موجود ہیں۔ یہ مکتبِ فکر امام علی زین العابدینؑ کے بیٹے، امام محمد باقرؑ کے بھائی حضرت زیدؑ (122ھ) کی طرف نسبت سے زیدیہ کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ اعتقادی لحاظ سے معتزلہ کے قریب تر ہے۔ زیدیہ، شیعہ کی طرح، نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو اپنا امام اور پیشوا مانتے اور جمہور شیعہ اور بعض تفضیلیہ کی طرح، امام علی علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ کے بعد سب صحابہ کرامؓ سے افضل جانتے ہیں۔ زیدیہ، امامت کو بنو فاطمہؑ میں منحصر قرار دیتے ہیں۔

"محافظتِ دین میں خواتین کا کردار اور ذمہ داریاں" کے عنوان کے تحت پانچواں مقالہ مدعی ہے کہ اسلام نے عورت کو وہ مقام و مرتبہ بخشا جس کے طفیل عورت کے اندر مرد کے ساتھ برابری اور فخر کا احساس پیدا ہوا۔ اس کے نتیجے میں مسلمان عورتوں نے تعلیمی، سیاسی اور سماجی امور اور اصلاحات میں ہمیشہ انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ اسلام نے عورت کو وہ عظمت دی کہ حضرت آدمؑ کا ذکر، اماں حواؑ کی یاد کے بغیر نامکمل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی قربانی، حضرت ہاجرہؑ کے ایثار کے بغیر ادھوری ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا نام، حضرت مریمؑ کی طہارت و پاکدامنی کے بیان کے بغیر نامکمل ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؑ کے کردار کو نظر انداز کر کے حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی داستان نامکمل ہے۔ اسی طرح اسلام کی ترویج اور بقاء کے لئے خاتونِ جنّت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا کردار ناقابلِ فراموشی ہے۔

اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین کی محافظت میں عورت کا کردار بہت اہم ہے اور وہ اِس حوالے سے ذمہ دار بھی ہے۔ درحقیقت، اُس کی گود میں سماج پرورش پاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خواتین کو اپنے کردار اور ذمہ داریوں کا بہترین ادراک حاصل ہو؛ تاکہ وہ اپنے مثبت کردار سے معاشرے کو جنت بنا سکیں۔ اولاد کی صحیح تربیت کر سکیں اور معاشرتی اصلاح کی تحریکوں اور بالخصوص دینِ مبینِ اسلام کی حفاظت اور ترویج میں میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ پیشِ نظر مقالہ میں واقعہ کربلا کے تناظر میں محافظتِ دین میں خواتین کے کردار اور ذمہ داریوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ عصرِ حاضر کی خواتین کے لئے ایک بہترین مشعلِ راہ ہے۔

" اَلْمَحَجَّةُ الْبَيْضاء فِي تَهْذيبِ الْاِحْياء: ایک تبصرہ" کے عنوان سے اس شمارے کا آخری مقالہ کتاب شناسی کے فن سے مربوط ہے ۔ یہ مقالہ علم اخلاق کی اُس بہترین کتاب کا تعارف کرواتا ہے جس کے مؤلف ملا محسن فیض کاشانیؒ ہیں۔ مقالہ نگار کے مطابق یہ کتاب درحقیقت، امام غزالیؒ کی کتاب "اِحیاء علوم الدین" کی اصلاح، تکمیل اور تشریحات پر مشتمل ہے جس کے چار حصے ہیں۔ پہلا حصہ عبادات کے بیان، دوسرا عادات کے

بیان، تیسرا ہلاکت خیز اعمال اور چوتھا نجات بخش امور کے بیان پر مشتمل ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اس مقالہ کے مطالعہ سے انگیزہ پاتے ہوئے اِس کتاب کا مطالعہ بھی ہمارے لئے مکارم اخلاق کی تکمیل میں انتہائی معاون و مددگار ثابت ہوگا۔

ہم توقع رکھتے ہیں کہ 6 علمی، تحقیقی مقالات پر مشتمل مجلّہ نور معرفت کا 59واں شمارہ ہمارے قارئین کی علمی پیاس بجھانے اور نیکی کے راستوں پر گامزن ہونے کا موجب بنے گا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مقالہ نگاروں اور مجلّہ ہٰذا کی ٹیم کو اس پیش کش پر بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے اور ہمارے قارئین کو نورِ علم و بصیرت کے زیور سے آراستہ فرمائے۔ آمین!

مدیر مجلّہ،

ڈاکٹر محمد حسنین نادرؔ

مسلم سماج کے اخلاقی ارتقاء میں اللہ تعالی کی پسند و ناپسند کی تاثیر

The Impact of Almighty Allah's Love & Non-Love upon the Moral Upbringing of A Muslim Society

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Muhammad Farqan Gohar
Ph.D. Scholar. History of Islamic Civilization.
Mustafa International University, Qum, Iran.
E-mail: m.furqan512@yahoo.com

Abstract:

This research article claims that the Holy Quran has provided the course of collective and moral upbringing of the Muslim society on the basis of love and non-love of the Allah almighty. This research focuses upon the verses of "Love" and "non-love" [حُبّ/لاحُبّ] attempting to examine that Allah's love or non-love for His servants revolves around which attributes and how? It is assumed is that the collective effects of these attributes in fact, cause the pleasure or displeasure of Allah almighty with his servants.

The purpose of this research is to outline the system of life under which these verses are adapted into a particular order and provide a moral basis for social relations. Thus, this inscription seeks to answer the question that in what way can the attributes related to "Love" and "Non-love" of Allah almighty play a role in the moral upbringing of a Muslim society?

This article is composed of two parts. In its 1st part, as a foreword, it is examined that what is the reality of Allah's love and what effects does it leave on an individual or a society? In the next part of this paper, in the light of the Qur'anic verses, the attributes of people will be examined on the basis of which they are loved or hated by Allah. Also, the connection of these

society will also be highlighted. Overall, the message of this research is that being beloved by Allah Almighty is essential to reach higher ranks of the faith that provide a basis for good relationships in a Muslim society through the improvement of mutual relations, justice, kindness and piety. Thus, by adopting these basic attributes, a Muslim society can have a good and peaceful life; that is ultimately based upon Allah almightys' love.

Key Words: Love, Love of Allah, Social Upbringing, Moral upbringing, Muslim Society, Faith, Justice, kindness.

خلاصہ

پیشِ نظر مقالہ کا مدعا یہ ہے کہ قرآن کریم نے مسلم سماج کی اجتماعی تربیت اور اخلاقی ارتقاء کا سامان پروردگارِ عالم کی محبت اور عدم محبت کی بنیاد پر فراہم کیا ہے۔اِس تحقیق کا محور [حُبّ/لاحُبّ] کی آیات ہیں جس میں یہ جانچنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اللہ تعالی کی اپنے بندوں سے محبت یا عدمِ محبت، بندوں کی کن صفات کے گرد اور کیونکر گھومتی ہے۔ مفروضہ یہ ہے کہ ان صفات کے اجتماعی اثرات ہی در حقیقت، باعث بنتے ہیں کہ اللہ تعالی کی رضا یا غضب ان صفات کے شامل حال ہو جائے۔ اس تحقیق کا مقصد اس نظام حیات کی ترسیم ہے کہ جس کے تحت یہ آیات ایک خاص نظم میں ڈھل کر سماجی روابط کو اخلاقی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ یوں یہ نوشتہ، اس سوال کا جواب دینے کے درپے ہے کہ اللہ تعالی کی "حُبّ" اور "لاحب" سے متعلقہ صفات کس طرزپر اسلامی سماج کے اخلاقی ارتقاء میں کردار ادا کر سکتی ہیں؟

یہ مقالہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں بطور مقدمہ یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ اللہ کی محبت کی حقیقت کیا ہے اور یہ ایک فرد یا معاشرہ پر کیا اثرات چھوڑتی ہے؟ مقالہ ہٰذا کے آئندہ حصہ میں قرآنی آیات کی روشنی میں افراد کی اُن صفات کا جائزہ لیا جائے گا جن کی بنیاد پر وہ اللہ تعالی کے محبوب یا منفور ٹھہرتے ہیں۔ نیز اِن صفات کا مسلم سماج کی اخلاقی، اجتماعی تربیت کے ساتھ رابطہ بھی اجاگر کیا جائے گا۔ بطور کلی، اس تحقیق کا پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالی کی محبوبیت کا حصول، ایمان کے درجات میں کمال تک پہنچنے کے لئے انتہائی اہم ہے۔ یہ کمالات ایک مسلم سماج کو باہمی روابط کی بہتری، عدل و انصاف، احسان اور تقویٰ کے ذریعے درست روابط کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ یوں یہ بنیادی صفات اپنا کر ایک مسلم سماج حیاتِ طیبہ اور پُر سکون زندگی پا سکتا ہے۔

کلیدی کلمات: محبت، اللہ تعالی کی محبت، سماجی تربیت، اخلاقی تربیت، مسلم سماج، ایمان، عدل، انصاف، احسان۔

محبت: مسلم سماج کی تشکیل کی اساس

معاشرہ سازی میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر سماج کسی خاص اساس پر استوار ہوتا اور تشکیل پاتا ہے۔ نظریاتی اور فکری بنیادیں فراہم کیے بغیر کسی بھی سماج کی تربیت ناممکن ہے۔ لہٰذا مسلمان دانشوروں کو ایسے نظریات پروان چڑھانے کی ضرورت ہے جو دین اور وحی کی روشنی میں ہمارے سماجی رویّوں کو درست سمت مہیا کر سکیں۔ وحی کی روشنی میں تشکیل پانے والے نظریات چونکہ حقیقت سے قریب تر ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے سماج کی اسلامی روح کے ساتھ ہماہنگ ہیں، لہٰذا اُن کی مقبولیت اور مؤثر ہونے کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی رُو سے اللہ تعالی نے اپنی محبت اور عدم محبت پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے اظہار کے ذریعے مسلمانوں کی اجتماعی تربیت کا سامان فراہم فرمایا ہے۔ لہٰذا افراد اور سماج کی تربیت کی اہم ترین اساس محبت ہے۔ جس کا عملی اظہار نرم رویوں، صداقت، دوستی، احساس قربت اور تعلق خاطر میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الۡقَلۡبِ لَانفَضُّواْ مِنۡ حَوۡلِكَ (159:3)

ترجمہ: "(اے رسول!) یہ مہرِ الٰہی ہے کہ آپ اُن کے لئے نرم خو واقع ہوئے اور اگر آپ تُند خُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔"

اِس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی رحمت اور پیغمبر اکرم ﷺ کی نرم خوئی کو لوگوں کے آنخضرت ﷺ کے گرد جمع ہونے کا رمز و راز قرار دیا ہے۔ اور جہاں تک محبت کا تعلق ہے تو یہ رحمتِ الٰہی اور عطوفتِ نبوی کی اساس ہے۔

اس حوالے سے علامہ طباطبائیؒ لکھتے ہیں: "الحب حقیقة ساریة فی الموجودات"[1] یعنی: "محبت، موجودات کے اندر ایک جاری و ساری حقیقت ہے۔" خواجہ نصیر الدین طوسی اپنی معروف کتاب «اخلاق ناصری» میں محبت اور انصاف میں موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عدل و انصاف اگرچہ سب سے کامل ترین انسانی فضیلت ہے، تاہم محبت کا درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اگر محبت حاصل ہو تو انصاف کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ انصاف آدھا آدھا کرنے کا نام ہے۔ انصاف کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں ایک تنازعہ موجود ہو، لہٰذا اس قسم کا بٹوارا انتشار کے لاحقہ ہے، جبکہ محبت اتحاد کے اسباب میں سے ہے۔ یوں محبت عدالت پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔

خواجہ نصیر اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فلاسفرز کے ایک گروہ نے محبت کی شان میں بہت ہی مبالغہ کیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز کا وجود محبت کے طفیل سے ہے۔ یوں اس کائنات کی کوئی چیز بھی محبت سے خالی نہیں ہے، ہاں اس شے کے اندر پائے جانے والے کمال کے حساب سے محبت کے مرتبے کا فرق

ان میں ضرور ہے۔ ان فلاسفرز کے مطابق محبت کا تضاد غلبے کے ساتھ ہے۔ محبت کمال کا باعث بنتی ہے، جبکہ غالب آنے کی نفسیات فساد کا باعث بنتی ہے۔اِس کے برعکس، اگرچہ بعض دیگر فلاسفرز نے محبت کے بارے میں اس مبالغے سے کام نہیں لیا تاہم وہ بھی محبت کی فضیلت کے معترف ہیں اور کائنات کی جملہ اشیاء کے اندر عشق و محبت کے جاری وساری ہونے کے قائل ہیں۔ [2]

محبت کا معنی

محبت دراصل ایک وجودی تعلق ہے۔ یہ ایک قلبی احساس ہے جس میں اپنی پسندیدہ ذات یا چیز کے ساتھ قرابت اور نزدیک ہونے کی خواہش اور تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ یہ تعلق جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی وحدت اور یگانگت میں اضافہ ہوتا ہے۔ خواجہ نصیر طوسی کے مطابق محبت، انسان کی اپنے تصوراتی کمال کے ساتھ اتحاد کی تڑپ کا نام ہے۔ یعنی جس چیز سے انسان کو انس اور لگاؤ ہوتا ہے، اس کے ساتھ گھلنے ملنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہی تڑپ محبت ہے۔ پس انسان جتنی با کمال چیز سے محبت کرے گا اتنی ہی فضیلت پائے گا۔ خواجہ نصیر طوسی کے مطابق مخلوقات کی محبت کی بنیاد لذت، مفاد یا بھلائی پر ہوتی ہے۔ یعنی انسان کسی بھی چیز سے محبت ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے کرتا ہے۔ [3]

اب اگر یہ تینوں ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو محبت زیادہ دیرپا ثابت ہوتی ہے۔ خداوند سے مؤمن کی محبت انہی تین عناصر کے مجموعے سے حاصل ہوتی ہے۔ البتہ معرفت اس کی بنیادی شرط ہے۔ کیونکہ مفاد ہی کو دیکھا جائے تو انسان کے تمام مفادات اللہ تعالی کی ذات سے جڑے ہیں۔ انسان ‹‹فقر محض›› ہے۔ جبکہ اللہ کی ذات ‹‹غنی مطلق›› ہے۔ انسان ‹‹سراپا احتیاج›› ہے۔ جبکہ اللہ کی ذات ‹‹سب سے بے نیاز›› ہے۔ اس سے آگے بڑھیں تو اللہ تعالی جمیل اور خوبصورت بھی ہے۔ ہمارے وجود کی خوبصورتی اور اس دنیا کی تمام خوبصورتیاں اس کے وجود سے ہیں۔ لہٰذا اُس سے محبت میں لذت بھی ہے۔ اسی طرح تمام بھلائیوں کی اساس اور ان کا سرچشمہ ذاتِ پروردگار ہے۔ پس یہ تینوں عنصر مل کر اللہ تعالی کی محبت کو وجود میں لاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک مومن کی اللہ تعالی سے محبت دیرپا اور پائیدار ہوتی ہے۔

محبتِ پروردگار کا مفہوم

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنی مخلوقات، بالخصوص انسان سے کیوں محبت کرتا ہے؟ آیا اللہ تعالی کی محبت بھی مخلوقات کی محبت کی طرح مذکورہ بالا تین عوامل کی وجہ سے ہے؟ کیا اللہ تعالی کی محبت بھی ایک نفسانی کیفیت، ایک قلبی تعلق اور احساسِ قربت پر مشتمل ہے؟ اور اگر ایسا نہیں، اور یقینا اللہ تعالی تمام نفسانیات اور نفسانی کیفیات سے پاک اور منزہ و مبرا ہے تو پھر اُس کے انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہونے کا معنی کیا ہے؟

ایسے میں محبتِ الٰہی کا مفہوم کیا ہوگا؟ اِس سوال کے جواب میں ہم سب سے پہلے خود قرآنی آیات کی روشنی میں محبت کا مفہوم تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت کا تذکرہ ہے، جہاں حضرت موسی علیہ السلام کو مادر موسی ایک الہامی حکم سے، دریائے نیل میں ایک صندوق میں رکھ کر بہا دیتی ہیں اور فرعون کے اہل خانہ کی طرف سے حضرت موسی علیہ السلام کو اٹھالیا جاتا ہے۔ اس صورتحال میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ:

أَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي (39:20) ترجمہ: "میں نے تم پر اپنی طرف سے تجھ پر محبت القاء کردی۔"

یعنی اللہ تعالی نے فرعون کے گھر والوں کو حضرت موسی علیہ السلام پر مہربان بنا دیا۔ بنابریں، اِس آیت سے سے معلوم ہوتا ہے کہ محبتِ پروردگار کا معنی وہ آثارِ محبت ہیں جو اللہ تعالی انسانی سماج میں جاری وساری کر دیتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے ارشاد ہوا ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا (96:19)

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیئے، عنقریب «مہربان اللہ» ان کے لیے محبت ایجاد کردے گا۔"

یہ بھی اس محبت کے سماجی اور انسانی اثرات کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں رحمانیت اور مودت کو آپس میں جوڑ دیا گیا ہے۔ بعض قرآنی آیات میں رحمت کو محبت کا ہمنشین بنایا گیا ہے۔ یعنی جہاں متعدد آیات میں فرمایا کہ اللہ تعالی محسنین سے محبت کرتا ہے۔ وہیں ایک آیت میں فرماتا ہے کہ: إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ (56:7) ترجمہ: "اللہ کی رحمت محسنین کے نزدیک ہے۔"

یوں اس ہم نشینی کے نتیجہ میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ محبت سے اللہ کی خاص رحمت مراد ہے۔ رحمت ایک ایسا مفہوم ہے جو تمام اشیاء اور ہر قسم کی مخلوقات پر محیط ہے، حتی کہ کافر و مومن سب کو شامل ہے۔ «رحمتی وسعت کل شیئ» ہر چیز پر محیط ہے۔ لیکن بعض لوگ اپنے اوصافِ کمال کی وجہ سے اللہ کی رحمت کے قریب ہیں۔ یعنی ان پر خصوصی کرم ہے۔ جیسا کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے بارے میں ہے کہ :وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا (13:19) ترجمہ: "وہ ہماری خصوصی عطا سے حنان تھے۔" حنان، شفقت کو کہتے ہیں۔ راغب کے بقول شفقت رحمت سے خالی نہیں ہوتی۔ والدین شفیق ہوتے ہیں، کیونکہ وہ مہربان بھی ہوتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے کہ :وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِندِهِ (28:11) ترجمہ: "اور اس نے مجھے ایک خاص رحمت بخشی ہے اپنے حضور سے۔" اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کا قول ہے کہ : وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً (63:11) ترجمہ: "اور اس نے مجھے اپنے حضور سے (خاص) رحمت بھی بخشی ہے۔"

علامہ طباطبائی فرماتے ہی کہ اسی کو محبت سے بھی تفسیر کیا گیا ہے۔ شاید مراد لوگوں کی ان سے محبت ہو۔ جبکہ ایک احتمال یہ ہے کہ وہ لوگوں پر مہربان تھے، ان کے بارے میں رقت قلبی رکھتے تھے اور انہیں نصیحت کرتے تھے۔ اسی لیے توریت میں انہیں یوحنائے معمد کہا جاتا ہے۔[4] اِن آیات کی روشنی میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ کی خصوصی عنایت، مہربانی، کرم، بخشش یہ سب وہ عطائیں ہیں جو محبت کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اللہ جب کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اسے اپنی خاص رحمت سے نوازتا ہے، جیسے انبیاء و مرسلین، اولیاء اور صالحین کو نوازا۔ اور یہی محبتِ الٰہی کا معنی و مفہوم ہے۔

احادیث کی روشنی میں اللہ تعالی کی محبت کی حقیقت

احادیث میں ہم دو قسم کی محبتوں کا ذکر نظر آتا ہے۔ ایک وہ محبتیں جن میں آزمائشیں، بلائیں اور مشقتیں نظر آتی ہیں۔ اور دوسری وہ محبتیں جن میں کامیابیاں، کامرانیاں، آسانیاں، امداد اور مقبولیت وغیرہ نظر آتی ہیں۔ یہ بظاہر متضاد ہیں۔ اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ جب انسان اللہ تعالی کے ہاں محبوب بنتا ہے تو اہل زمین میں بھی اس کی محبوبیت بڑھ جاتی ہے؛ جبکہ بعض روایات میں ہے کہ جو انسان اللہ تعالی کا محبوب ہوتا ہے اُس کی سماجی حیثیت کو پامال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام جیسے مظلومینِ تاریخ کی مثالیں اس کی تائید کرتی ہیں۔ لہٰذا مسئلہ بہت اہم ہے کہ حقیقتِ امر کیا ہے؟ اِس سوال کا جواب تلاش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ یہاں اللہ تعالی کی محبت کے حوالے سے چند روایات بیان کی جائیں:

1۔ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى إِذَا أَحَبَ عَبْداً غَتَّهُ بِالْبَلَاءِ غَتّاً وَ ثَجَّهُ بِالْبَلَاءِ ثَجّاً فَإِذَا دَعَاهُ قَالَ لَبَّيْكَ عَبْدِي لَئِنْ عَجَّلْتُ لَكَ مَا سَأَلْتَ إِنِّي عَلَى ذَلِكَ لَقَادِرٌ وَ لَئِنِ ادَّخَرْتُ لَكَ فَمَا ادَّخَرْتُ لَكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ[5]

یعنی: "امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالی جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے مصیبتوں میں سختی سے مبتلا کرتا ہے۔ پھر وہ اللہ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تیری مشکل تو حل کر سکتا ہوں، تاہم جو نتیجہ تمہیں ملنا ہے اس سے محروم ہو جاوگے اور یوں اس کی آزمائش جاری رہتی ہے۔"

2۔ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ عَنْ حَنَانِ بْنِ سَدِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ إِذَا أَحَبَ عَبْداً فَعَمِلَ عَمَلًا قَلِيلًا جَزَاهُ بِالْقَلِيلِ الْكَثِيرَ وَ لَمْ يَتَعَاظَمْهُ أَنْ يَجْزِيَ بِالْقَلِيلِ الْكَثِيرَ لَهُ.[6]

امام صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالی جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو

اس کے تھوڑے سے عمل کے بدلے میں زیادہ جزا عنایت کرتا ہے۔ اور یہ بات اس پر گران نہیں گزرتی۔

3۔عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: مَرَّ بِي أَبِي وَ أَنَا بِالطَّوَافِ وَ أَنَا حَدَثٌ وَ قَدِ اجْتَهَدْتُ فِي الْعِبَادَةِ فَرَآنِي وَ أَنَا أَتَصَابُ عَرَقاً فَقَالَ لِي يَا جَعْفَرُ يَا بُنَيَّ إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْداً أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَ رَضِيَ عَنْهُ بِالْيَسِيرِ.[7]

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ میں بیت اللہ کے طواف میں مصروف تھا، اسی دوران میرے والد (امام باقر علیہ السلام) کا وہاں سے گزر ہوا، اس وقت میں نوجوان تھا، سخت عبادت کیا کرتا تھا، طواف کی وجہ سے پسینے میں شرابور تھا، تو میرے والد نے فرمایا: بیٹے جعفر، بے شک جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے جنت عطا کرتا ہے اور اس کے تھوڑے عمل پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔

4۔ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: «إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ. قَالَ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ. ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ فَيَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ. فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ. قَالَ ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ. وَ إِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَيَقُولُ: إِنِّي أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضْهُ. قَالَ فَيُبْغِضُهُ جِبْرِيلُ. ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللَّهَ يُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوهُ. قَالَ فَيُبْغِضُونَهُ. ثُمَّ تُوضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ».[8]

یعنی: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے: اے جبریل! میں فلان شخص سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اُس سے محبت کرو۔ فرمایا کہ: پھر جبریل اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر جبریل آسمان میں ندا دیتا ہے: بے شک اللہ تعالی فلان سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو۔ [یہ سن کر] آسمان والے بھی اُس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اُس شخص کے لئے مقبولیت قرار دے دی جاتی ہے۔[9] اور جب اللہ تعالی کسی بندے سے نفرت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے: اے جبریل! میں فلان شخص سے نفرت کرتا ہوں، تم بھی اس سے نفرت کرو۔ فرمایا کہ: پس جبریل بھی اُس سے نفرت کرتا ہے، پھر جبریل آسمان میں ندا دیتا ہے کہ: بے شک اللہ تعالی فلان شخص سے نفرت کرتا ہے لہٰذا تم بھی اُس سے نفرت کرو۔ فرمایا کہ: پھر اہل آسمان بھی اُس شخص سے نفرت کرتے ہیں اور پھر زمین میں بھی اس سر نفرت پھیلا دی جاتی ہے۔"

5۔ إن العبد ليلتمس مرضاة اللّٰه و لا يزال بذلك فيقول اللّٰه لجبريل إن عبدي فلانا يلتمس أن يرضيني، و إن رحمتي عليه، قال فيقول جبريل رحمة اللّٰه على فلان، (و يقوله) حملة العرش، و يقوله (الذين حولهم حتى يقوله) أهل السماوات السبع، ثم (يهبط) [له] إلى الأرض، قال: فقال رسول اللّٰه عند ذلك و هي الآية التي أنزل اللّٰه (تبارك و تعالى) عليكم إِنَّ

الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمنُ وُدًّا. و إن العبد ليلتمس سخط اللّه و لا يزال بذلك حتى يقول اللّه لجبريل: إن عبدي فلانا يلتمس أن يسخطني، و إن غضبي عليه. قال: فيقول جبريل: غضب اللّه على فلان. و (يقوله) حملة العرش، و يقوله الذين حولهم، و يقوله أهل السموات السبع حتى (يهبط به) إلى الأرض.[10]

دوسری صدی ہجری میں لکھی جانے والی ایک قدیم تفسیر کی کتاب میں موجود یہ روایت حضرت ثوبان نے نقل کی ہے جس کے مطابق:

"رسول خداﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اللہ کا بندہ، رب کی مرضی ڈھونڈتا ہے اور مسلسل اس کی طلب میں ہوتا ہے تو اللہ تعالی جبریل سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ اس کوشش میں ہے کہ مجھے خوشنود کرے اور اس بندے پر میری رحمت ہے۔ فرمایا کہ: جبریل کہتا ہے: اُس شخص پر اللہ کی رحمت ہو اور حاملینِ عرش [ملائیکہ بھی یہی کہتے ہیں] پھر اُن کے گرد موجود آسمانی مخلوقات بھی یہی کہتی ہیں؛ یہاں تک کہ سات آسمانوں کے اہلیان بھی یہی کہنے لگتے ہیں اور پھر [اُس شخص کے لئے محبت اور رحمت کی یہ دعا] زمین پر اُتار دی جاتی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر رسول اللہ نے فرمایا یہ وہ آیت ہے جو اللہ تبارک و تعالی نے تم پر نازل کی ہے: "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے، رحمان اللہ عنقریب اُن کے لیے محبت کا سامان فراہم کر دے گا۔" اور جب کوئی آدمی اللہ کو ناراض کرتا ہے اور اپنے اِس کام پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالی جبریل سے فرماتا ہے: میرا فلاں بندہ مجھے غضبناک کرنے میں مصروف ہے اور میں اُس پر غضبناک ہوں۔ فرمایا کہ: جبریل کہتا ہے: اُس شخص پر اللہ کا غضب ہو اور حاملینِ عرش [ملائیکہ بھی یہی کہتے ہیں] پھر اُن کے گرد موجود آسمانی مخلوقات بھی یہی کہتی ہیں؛ یہاں تک کہ سات آسمانوں کے اہلیان بھی یہی کہنے لگتے ہیں اور پھر [اُس شخص سے بغض و عداوت] زمین پر اُتار دی جاتی ہے۔"

ان دو حدیثوں کے مطابق ایک شخص کی محبوبیت یا مبغوضیت کا معیار اس آیت کے ساتھ سازگار ہے کہ جہاں اللہ تعالی نے فرمایا: "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے، عنقریب ان کے لیے مہربان اللہ محبت ایجاد کر دے گا۔" (96:19)۔ اِن کی روشنی میں محبتوں کا سلسلہ آسمان سے شروع ہو کر زمین تک پہنچتا ہے۔ تاہم یہاں ایک غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ ممکن ہے اِن روایات کی روشنی میں بعض لوگ یہ تصور کرنے لگیں کہ کسی بھی شخص کی سماجی محبوبیت، اُس کے اللہ تعالی کے ہاں مقام و منزلت کی دلیل ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ سماج کا ہر محبوب شخص، اللہ تعالی کا بھی محبوب ہو۔ یا برعکس، سماج جس شخص سے نفرت کرنے لگے، وہ اللہ تعالی کا بھی منفور و مبغوض ہو۔ کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص سماج کا پسندیدہ ہو لیکن اللہ تعالی کے ہاں مبغوض و منفور ہو اور برعکس، ایک شخص سماج کا مبغوض ہو لیکن اللہ تعالی ہے

ہاں وہ انتہائی محبوب اور پسندیدہ ہو۔ جیسا کہ مفضل ابن عمر کی مندرجہ ذیل روایت سے واضح ہے:

عَنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ مَنْ قِبَلَنَا يَقُولُونَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى إِذَا أَحَبَ عَبْداً نَوَّهَ بِهِ مُنَوِّهٌ مِنَ السَّمَاءِ أَنَّ اللَّهَ يُحِبُّ فُلَاناً فَأَحِبُّوهُ فَتُلْقَى لَهُ الْمَحَبَّةُ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَإِذَا أَبْغَضَ اللَّهُ تَعَالَى عَبْداً نَوَّهَ مُنَوِّهٌ مِنَ السَّمَاءِ أَنَّ اللَّهَ يُبْغِضُ فُلَاناً فَأَبْغِضُوهُ قَالَ فَيُلْقِي اللَّهُ لَهُ الْبَغْضَاءَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ قَالَ كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُتَّكِئاً فَاسْتَوَى جَالِساً فَنَفَضَ يَدَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يَقُولُ لَا لَيْسَ كَمَا يَقُولُونَ وَ لَكِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ إِذَا أَحَبَّ عَبْداً أَغْرَى بِهِ النَّاسَ فِي الْأَرْضِ لِيَقُولُوا فِيهِ فَيُؤْثِمَهُمْ وَ يَأْجُرَهُ وَ إِذَا أَبْغَضَ اللَّهُ عَبْداً حَبَّبَهُ إِلَى النَّاسِ لِيَقُولُوا فِيهِ فَيُؤْثِمَهُمْ وَ يُؤْثِمَهُ ثُمَّ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ كَانَ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ يَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّا عَلَيْهِ السَّلَامُ أَغْرَاهُمْ بِهِ حَتَّى قَتَلُوهُ وَ مَنْ كَانَ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَقِيَ مِنَ النَّاسِ مَا قَدْ عَلِمْتُمْ وَ مَنْ كَانَ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيهِمَا فَأَغْرَاهُمْ بِهِ حَتَّى قَتَلُوهُ.[11]

یعنی: "مفضل بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کی ہمارے ہاں بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالی جب کسی بندے سے پیار کرتا ہے تو آسمان سے ندا آتی ہے کہ اللہ تعالی فلان شخص سے محبت کرتا ہے، اس سے بندوں کے دلوں میں بھی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ جب اللہ تعالی کسی بندے سے نفرت کرتا ہے تو آسمان سے ندا آتی ہے کہ اللہ تعالی اس آدمی کو ناپسند کرتا ہے، تم بھی اسے ناپسند کرو۔ مفضل کہتا ہے کہ امام علیہ السلام پہلے تو ٹیک لگائے بیٹھے تھے، پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور تین بار ہاتھ جھاڑ کر فرمایا کہ نہیں، ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالی جب بندے سے پیار کرتا ہے تو زمین میں لوگوں کو اس کے بارے میں گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور لوگ اُس کے بارے میں غلط باتیں کرتے ہیں جس پر اُسے اجر و پاداش ملتا ہے اور جب اللہ تعالی کسی بندے کو ناپسند کرتا ہے تو اُس کو لوگوں کا پسندیدہ بنا دیتا ہے تاکہ وہ اس کے بارے میں اچھی اچھی باتیں بنائیں جس سے وہ خود بھی گنہگار ہوں اور اسے بھی گنہگار بنا دیں۔ پھر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بھلا اللہ کے ہاں حضرت یحییٰ بن زکریا سے کوئی پیارا ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالی نے لوگوں کو آپ کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا کیا یہاں تک کہ انہوں نے حضرت یحییٰ کو قتل کر دیا۔ اور امام علی علیہ السلام سے زیادہ بھلا کون اللہ کا پیارا ہو سکتا ہے؟ حالانکہ آپ علیہ السلام نے لوگوں کی طرف سے وہ کچھ جھیلا جو تمہارے علم میں ہے۔ اور امام حسین

بن علی علیہاالسلام سے بھلا زیادہ کون اللہ کا پیارا ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالی نے لوگوں کو آپ کے بارے میں غلطی میں مبتلا کیا، یہاں تک کہ لوگوں نے انہیں شہید کر ڈالا۔ "[1]

مذکورہ بالا احادیث و روایات کی روشنی میں انسان کے اللہ تعالی کا محبوب ہونے یا مبغوض ہونے کا ایک کلی معیار یہ طے نہیں کیا جا سکتا ہے سماج میں ایک شخص محبوب ہے یا مبغوض۔ بنابریں، یہ سوال باقی ہے کہ ایک انسان کے بارگاہ الٰہی میں محبوب یا مبغوض ہونے کا معیار کیا ہے؟ نیز یہ کہ جب ارشاد باری تعالی ہے کہ: "بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے، عنقریب «مہربان اللہ» ان کے لیے محبت ایجاد کر دے گا۔ "(96:19) تو معیار کوئی خاص محبت ہے اور خاص قسم کی محبوبیت ہے، یا نہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یقیناً روایات کی روشنی میں کسی شخص کے اللہ تعالی کا محبوب ہونے کا معیار محض یہ نہیں ہے کہ ہر ایک آدمی اُس سے محبت کرنے لگے؛ بلکہ معیار اُس شخص سے ملائکہ، آسمانی مخلوقات اور اہلِ ایمان کی محبت ہے۔ ورنہ تو اس دنیا میں Celebrities سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس وقت فلم سٹارز کی محبوبیت یا کرکٹرز یا فٹ بال پلیئرز کی محبوبیت عالمی سطح پر موجود ہے۔ تو اس سے کیا یہ نتیجہ لے لیا جائے کہ اللہ کے ہاں ان کا مقام سب سے زیادہ بلند ہے؟ روایات کے مطابق اللہ کی محبت کے اس پہلو کا معیار اہل ایمان کے نزدیک محبوبیت ہے۔ اس پر بعض روایات موجود ہیں، منجملہ:

- عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ع قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى: سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمنُ وُدًّا قَالَ ﷺ: يَا عَلِيُّ! الْمَحَبَّةُ عِنْدَ اللَّهِ وَ الْمَلَائِكَةِ وَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ[12]

  یعنی: "امام علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ فرمایا: یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالی کے اس فرمان « سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمنُ وُدًّا» کے متعلق بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی! اس سے مراد اللہ تعالی کی محبت، ملائکہ اور مؤمنین کے دلوں میں محبت ہے۔"

---

[1] ۔ یقیناً اللہ تعالی ہادی اور عادل ہے اور اپنے بندوں کو گمراہ نہیں کرتا؛ بلکہ اُس نے بنی نوع بشر کی ہدایت کا تمام تر سامان فراہم فرمایا ہے۔ لہٰذا اِس روایت اور اِس جیسی آیات و روایات جن میں لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرنے کی نسبت اللہ تعالی کی طرف دی گئی ہے، اُن کا مقصود یہ ہے کہ انسان جب اپنی بُری طینت اور اللہ تعالی کی نافرمانی کی وجہ سے اپنے آپ کو راہِ ہدایت سے جدا کر لیتا ہے تو اللہ تعالی اُسے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ لہٰذا انسان کے سوءِ اختیار کی وجہ سے اُسے گمراہی میں مبتلا کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شرابی اپنے عقل و اختیار و ارادے سے شراب پی لے اور اللہ تعالی اسے نشے میں مدہوش کر دے تو یہ انسان کے اپنے بُرے اختیار کا نتیجہ ہوگا اور اس صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالی نے اسے گمراہ کر دیا ہے یا نشے میں مبتلا کر دیا ہے۔ (مدیرِ مجلّہ)

- وَ قَالَ الصَّادِقُ ع لَا تَجْتَمِعُ الرَّغْبَةُ وَ الرَّهْبَةُ فِي قَلْبٍ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَإِذَا صَلَّيْتَ فَأَقْبِلْ بِقَلْبِكَ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يُقْبِلُ بِقَلْبِهِ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ فِي صَلَاتِهِ وَ دُعَائِهِ إِلَّا أَقْبَلَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَيْهِ بِقُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَيْهِ وَ أَيَّدَهُ مَعَ مَوَدَّتِهِمْ إِيَّاهُ بِالْجَنَّةِ[13]

یعنی: "امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رغبت اور خوف جس دل میں بھی جمع ہوتا ہے اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔ لہذا جب تم نماز پڑھو تو پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالی کے حضور حاضری دو؛ کیونکہ جب بھی کوئی بندۂ مومن پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالی کے حضور میں حاضری دیتا ہے تو اللہ تعالی اہل ایمان کے دل اس کی طرف مائل کر دیتا ہے اور ان کی محبت کے ساتھ ساتھ جنت کے ذریعے اپنی تائید اس کے شامل حال کر دیتا ہے۔"

اللہ تعالی کی محبت کے آثار

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں چند نکات سامنے آتے ہیں:

1۔ آسمانی اور زمینی محبت اور محبوبیت کے درمیان ایک رابطہ استوار ہے۔ البتہ اس حوالے سے دو قسم کی روایات سامنے آئیں۔ ایک، جن سے یہ عندیہ ملتا تھا کہ روئے زمین والوں کی مقبولیت عامہ، آسمان سے جڑی ہوئی ہے۔ جبکہ بعض دیگر روایات کے قرینہ کی روشنی میں یہ معلوم ہوا کہ جو محبت آسمان اور زمین کے رابطے کی علامت ہے وہ اہل ایمان کے دلوں میں پائی جانے والی محبت ہے۔ ورنہ ایسی بھی محبتیں ہیں جو محض زمینی ہیں۔ جن کا منشا لذت، منافع اور مفاد پرستی ہے۔ ایسی محبتیں صرف مادیات کے ساتھ مربوط ہیں۔ یوں ہم ان روایات کی عمومی حیثیت کو تنقیدی روایات کی روشنی میں تخصیص لگا سکتے ہیں اور انہیں راوی کا نقص فہم یا نقص تعبیر قرار دے سکتے ہیں۔

2۔ بعض روایات میں مشکلات اور مصائب کو اللہ تعالی کی محبت کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ بعض روایات میں کامیابی اور قبولیت وغیرہ کو محبت الٰہی کے آثار میں سے ذکر کیا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کیونکہ اللہ تعالی ایک مرتبہ محبت کرتا ہے تو کامیابی اور کامرانی عطا کرتا ہے۔ اس کے تھوڑے اعمال پر راضی ہو جاتا ہے۔ وہی اللہ محبت کرتا ہے تو مشکلات، مصائب، آزمائشوں میں ڈال دیتا ہے۔ اس متضاد صورتحال سے نکلنے کی سبیل کیا ہے؟

اگر ہم آیات کی روشنی میں ان روایات پر نظر دوڑائیں تو پھر مسئلہ حل ہوتا نظر آتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن میں خاص لوگوں کو محبت سے نوازا۔ بچپن سے ہی ان پر محبت اور خصوصی شفقت فرمائی۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بچپن ہی سے محبتیں اور انعامات سے نوازنے کا تذکرہ ہے، حضرت موسی علیہ السلام سے محبت کا اظہار کیا کہ تم پر فرعون کے اہل خانہ کے دل نچھاور کر دیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں ہی بڑے بڑے خواب دکھا دیے۔ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی محبت کا تذکرہ بھی گذشتہ سطور میں گذر چکا ہے۔ ہمارے نبی

کریم ﷺ بھی اللہ تعالی کے بچپن ہی خصوصی محبت رہی۔ امام حسین علیہ السلام سے محبت کا عالم یہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق حتی کہ اللہ تعالی امام حسین علیہ السلام کے چاہنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے۔

لیکن یہی ہستیاں ہیں جن پر بڑی بڑی آزمائشیں بھی آئیں۔ انہی پر مصائب ٹوٹے۔ حضرت موسی علیہ السلام نے دس سال کے قریب بکریاں چرائیں۔ اپنے اہل خانہ سے دور جبری جلاوطنی میں گزارے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی مصر کے اندر بردگی جھیلی۔ قید کاٹی۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔ رسول خدا ﷺ کو بہت اذیتناک صورتحال سے گزرنا پڑا۔ جہاں خود قبیلے والے سب سے بڑے مخالفین میں شمار ہوتے تھے۔ طرح طرح کی اذیتیں آپ پر اور آپ کے پیروکاروں پر پڑیں۔آپ ﷺ کے نواسہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کو بے دردی سے شہید کیا گیا۔

تاہم یہ سختیاں اور مصائب انسان کے کمال کا ذریعہ ہیں۔ بلند مقاصد رکھنے والے انسان بغیر سختی اور مصائب جھیلے اپنے مقاصد تک نہیں پہنچتے۔ یہ اس کائنات میں سنت الہٰی ہے کہ بڑے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ لہٰذا مصیبتوں اور بلاوں کے انسان سے اللہ تعالی کی محبت کی علامت ہونے کے حوالے سے جو حدیث گذری وہ اِن توضیحات کی روشنی میں قابل فہم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انسان مصیبت کی گھڑی میں آسانی کی دعا کرتا ہے، لیکن اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں تمہاری یہ مصیبت ٹال تو سکتا ہوں، لیکن تھوڑا صبر مزید کر لے کیونکہ جو منزل تمہارے لیے میں نے مقرر کی ہے، تم اس پر ابھی تک نہیں پہنچے اور اس تک پہنچنے کا تنہا راستہ بھی ان امتحانات اور مصیبتوں اور بلاوں سے گزرنا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ (2:214) یعنی: "کیا تم لوگوں نے گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں ایسے ہی چلے جاو گے اور گذشتہ امتوں جیسے مصائب تم پر نہیں ہونگے۔ گذشتہ امتوں پر مصیبتیں اور نقصانات آئے اور انہیں ہلا کر رکھ دیا، حتی کہ رسول اور اس کے ساتھی کہنے لگے کہ پس مدد الہٰی کہاں ہے؟ یاد رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔"

3۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالی انسان سے خصوصی محبت کرتا ہے؛ بشر طیکہ انسان خود کو اس قابل بنائے۔ چنانچہ اس حدیث میں جہاں امام صادق علیہ السلام پسینے سے شرابور گرمی کے عالم میں طواف کر رہے ہیں اور امام باقر علیہ السلام سے فرمایا کہ بیٹا جب اللہ تعالی انسان سے محبت کرتا ہے تو پھر تھوڑے عمل پر بھی راضی ہو جاتا ہے، یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ انسان کی ذات جب پروردگار کی محبوبیت حاصل کر لیتی ہے تو پھر اللہ تعالی اپنے بندے کے اعمال کی مقدار کو نہیں، بلکہ کیفیت کو دیکھتا ہے جو بذاتِ خود انسان کی فلاح اور کامیابی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اللہ تعالی کی پسند و ناپسند سے مربوط آیات کا اجمالی جائزہ

مذکورہ بالا بحث میں ہم نے محبت الٰہی کی حقیقت، اور اس کے معیارات کو قرآن کی آیات اور احادیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ «آیاتِ حُبّ» سے مراد وہ آیات ہیں جہاں اللہ تعالی نے محبت کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلا: «ان اللہ یحب المحسنین»، جبکہ «لاحب» سے مراد وہ آیات ہیں جہاں اللہ تعالی نے ناپسندیدگی اور ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلا: «لَایُحِبُّ اللّٰہُ الۡجَهۡرَ بِالسُّوۡٓءِ مِنَ الۡقَوۡلِ»۔

ان آیات پر ایک طائرانہ نظر دوڑانے سے پہلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اپنی محبت کو انسان کی تربیت اور اخلاقی ارتقاء سے جوڑا ہے۔ یہ ارتقاء انفرادی نہیں ہے، بلکہ اجتماعی ہے۔ کیونکہ محبت کی تمام تر آیات جبکہ ناپسندیدگی کی اکثر آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ مدینہ میں مسلمان ایک اجتماعی وجود کو پہنچ چکے تھے۔ اس حوالے سے استاد ڈاکٹر واسعی کی تحقیقات قابلِ توجہ ہیں۔ انہوں نے ایک نشست میں آیات حب اور لا حب کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی ہے اور یہ نتیجہ دیا کہ ان آیات کو اسلامی تہذیب و تمدن کے زاویہ سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔[14]

اور دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ محبت کی تمام تر آیات میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جیسے: «محسنین»، «متقین»، «صابرین»، «متوکلین»، «مقسطین»، «متطهرین»، «توابین»، «الذین یقاتلون» وغیرہ۔ ان صفات کے حامل لوگوں سے تشکیل پانے والا سماج ارتقاء یافتہ ہے۔ کہیں بھی «مسلمین» اور «مومنین» سے محبت کا اظہار نہیں ہے، بلکہ اہل ایمان کے اندر مراتب ایمان و عمل سے اس کا تعلق ہے۔ اس کے مدّمقابل جن لوگوں سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے ان میں «معتدین»، «کافرین»، «کلّ کفّار اثیم»، «خائنین»، «خوانا کفورا»، «مفسدین» اور «مستکبرین» شامل ہیں۔ مجموعی طور پر اللہ تعالی نے چالیس آیات میں اپنی پسند اور ناپسند کا تذکرہ کیا ہے۔ 17 آیات «حب پروردگار» (کیونکہ توابین اور متطهرین کا ذکر ایک ساتھ ہے)، جبکہ 23 آیات «لاحب» پر مشتمل ہیں۔

ان آیات پر ایک طائرانہ نظر دوڑانے سے تیسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ اپنے بندے سے اللہ تعالی کی محبت کے اظہار میں احسان، عدل اور تقویٰ کا مرکزی مقام ہے، جبکہ ناپسندیدہ چیزوں میں ظلم و تجاوز اور فساد کا کردار سب سے زیادہ مرکزیت رکھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ احسان احادیث کے مطابق، اسلام اور ایمان سے اوپر کا درجہ ہے۔ یعنی ایک ارتقاء یافتہ مفہوم ہے، جس میں ایمانی ثقافت کو عملی عروج ملتا ہے اور اللہ تعالی محسنین کو اپنی رحمت کے قریب کرتا ہے اور انہیں پسند فرماتا ہے۔ «محسنین» وہ ہیں جو اسلام اور ایمان کے ابتدائی مدارج طے کرکے احسان کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں۔ احسان کی مزید تفصیلات مربوطہ آیات کا جائزہ لیتے وقت شامل کریں گے۔

احسان کے ساتھ جڑا دوسرا مفہوم عدل ہے۔ جسے قرآن نے قسط سے تعبیر کیا ہے۔عدل وانصاف احسان کے بعد سب سے زیادہ تکرار کے ساتھ پسندیدہ حقیقت کے طور پر بیان ہوا ہے۔ اس کے بالمقابل ظلم و اعتداء یعنی دوسروں پر زیادتی کو اللہ تعالی نے ناپسند فرمایا ہے۔اس کے ساتھ ایک دوسرا مفہوم بھی جڑا ہے اور وہ ہے فساد۔ فساد اور ظلم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اللہ تعالی نے فساد اور مفسدین دونوں کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ یعنی تاکید کے ساتھ کہ فساد نامطلوب چیز ہے۔اس کے ساتھ تیسرا مفہوم استکبار کا جڑا ہے۔ استکبار یعنی آپے سے باہر ہونا۔ شیطان جب اپنی حدود سے آگے بڑھا تو اللہ تعالی نے کہا کہ (ابی واستکبر)۔ اللہ تعالی مستکبرین کو ناپسند فرماتا ہے۔ یہ بھی ایک عظیم تہذیبی تربیت کا اصول ہے۔ تقوا، توکل، ایمان، پاکیزگی، اتباع رسول اور جہاد کو پسند فرمایا ہے، جبکہ کفر، ناشکری، خیانت، غرور وخودپسندی اور بدزبانی کو ناپسند فرمایا ہے۔

چنانچہ علامہ طباطبائی فرماتے ہیں:و إذا تتبّعت الآيات الشّارحة لآثار هذه الأوصاف و فضائل تتعقّبها، عثرت على أمور جمّة من الخصال الحسنة، و وجدت أنّ جميعها تنتهي إلى أنّ أصحابها هم الوارثون الّذين يرثون الأرض، و أنّ لهم عاقبة الدّار.[15]

یعنی: "جب آپ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں اللہ تعالی کی محبت کے متعلقہ آیات اور فضائل واوصاف کا تذکرہ موجود ہے تو بہترین صفات کے ایک قیمتی خزانے پر آپ مطلع ہو جاتے ہیں اور آپ دیکھتے ہیں کہ یہ تمام اوصاف مل کر اس نتیجہ پر منتہی ہوتی ہیں کہ ان صفات کے حامل لوگ ہی زمین کے حقیقی وارث ہیں اور انہی کے لیے آخرت میں بہترین مقام ہے"۔

نتیجۂ بحث

اب تک کی مباحث سے چند اہم نکات سامنے آتے ہیں:

1۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اپنی پسند اور ناپسند کو انسان کی تربیت اور اخلاقی ارتقاء سے جوڑا ہے۔

2۔ یہ ارتقاء انفرادی نہیں ہے، بلکہ اجتماعی ہے۔ کیونکہ اکثر آیات میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔اور چنانچہ ذکر ہوا کہ پسند اور ناپسند کی اکثر آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔

3۔ مجموعی طور پر 41 مقامات پر اللہ تعالی نے اپنی پسند اور ناپسند کا تذکرہ کیا ہے۔ احسان، عدل اور تقوا ان کا مرکزی نکتہ ہے، جبکہ ناپسندیدہ چیزوں میں ظلم وزیادتی اور فساد کا کردار سب سے زیادہ مرکزیت رکھتا ہے۔

4۔ تربیت کی اہم ترین اساس محبت ہے۔ جس کا عملی اظہار نرم رویوں، صداقت، دوستی، احساس قربت اور تعلق خاطر میں ہوتا ہے۔

5۔ محبت ایک نفسانی کیفیت ہے۔ لہٰذا ایک قلبی تعلق ہے، ایک احساس قربت ہے۔ کیا اللہ تعالی میں یہ کیفیات

ممکن ہیں، وہ تو سب انسانوں کے قریب ہے۔ حتی انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے۔ لہٰذا احساس قربت چہ معنا دارد؟ اسی طرح قلبی تعلق بھی ایک نفسانی کیفیت ہے اور وہ تو نفسانیات سے منزہ و مبرا ہے۔

6۔ قرآنی آیات کی روشنی میں یہ نتیجہ میسر آیا کہ محبت پروردگار کا مطلب اللہ کی خصوصی عنایت، مہربانی، کرم اور بخشش ہے۔ یہ سب وہ عطائیں ہیں جو محبت کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اللہ جب کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اسے اپنی خاص رحمت سے نوازتا ہے، جیسے انبیاء و مرسلین، اولیاء اور صالحین کو نوازا۔

7۔ احادیث کے اندر محبت الٰہی کو آسمانی اور زمینی محبت کا واسطہ قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جو انسان اللہ کے ہاں محبوب ہوتا ہے، زمین پر بالخصوص اہل ایمان میں اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگرچہ ضروری نہیں کہ زمین پر جو بھی مقبول عام ہو اللہ کے ہاں بھی پسندیدہ ہو۔

"مسلم سماج کے اخلاقی ارتقاء میں اللہ تعالی کی پسند و ناپسند کی تاثیر" کے عنوان کے حوالے سے یہ وہ تمہیدی نکات ہیں جو نگاہ کا زاویہ معین کرتے ہیں۔ اس زاویۂ نگاہ سے ہم اللہ کی پسند اور ناپسند کی بیانگر آیات کو اچھے طریقے سے سمجھ سکیں گے۔ تحریر کے اگلے حصے میں ان اوصاف کو تفصیل سے بیان کریں گے اور سماج کی تربیت پر ان کے اثرات کا جائزہ لیں گے۔ (ان شاء اللہ!)

*****

References

1. Muhammad Hussein, Tabatabaei, *Al-Mizan fi Tafseer al- Qur'an*, Vol. 1, (Beirut, Mowsa Al-Alamy Lilmatbohaat, 2nd Addition, 1390 SH), 412.

محمد حسین، طباطبایی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج1، (بیروت، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات چاپ: 2، 1390ھ)، 412۔

2. Muhammad Bin Muhammad, Nasir al-Din Tusi, *Akhlaq Nasiri* (Tehran, Illimih Islamiyya, 1413 AH), 216-217.

محمد بن محمد، نصیر الدین طوسی، *اخلاق ناصری* (تہران، علمیہ اسلامیہ، 1413ھ)، 216-217۔

3. Ibid, 217.

ایضاً، 217۔

4.Tabatabaei, *Al-Mizan fi Tafseer al- Qur'an*, Vol. 14, 20.

طباطبایی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج14، 20۔

5. Muhammed Yaqub, Kulani, *Al-Kafi*, Vol. 2, (Tehran, Dar Alkutub Al-Islamiya, 1407AH.), 253.

محمد یعقوب، کلینی، *الکافی*، ج2 ؛باب شدۃ ابتلاء المؤمن (تہران، دار الکتب الإسلامیۃ، 1407ہ.ق)، ص:253۔

6. Ibid, 86.
ایضاً، 86۔

7. Ibid.
ایضاً۔

8. Muslim bin Hajjaj, *Sahih Muslim*, Vol. 4, 5 (Cairo, Dar al-Hadith, 1412 AH), 2030; Muhammad bin Ismail, Bukhari, *Sahih al-Bukhari*, Vol. 11, Chap. 2 (Cairo, Wazarat al Okaaf, Al-Majlis-al-Alla Lilshown al-Islamiat, al-Jannat tal Ahya, Kutab al-Sunnah, 1410 AH), 173; Ahmad bin Muhammad, Ibn Hanbal, *Musnad al-Imam Ahmad ibn Hanbal*, Vol. 16, 50 (Beirut, Mohsah Al-Risalah, 1416 AH), 393; Ahmad bin Ali, Nasa'i, *Al-Sunan Al-Kubara*, Vol. 4, 7 (Beirut, Dar al-Kutub al-Al-Elamiya, Manshoraat Muhammad Ali Bayzoun, 1411 AH), 416.

مسلم بن حجاج، *صحیح مسلم*، ج4، 5(قاہرہ، دار الحدیث، 1412 ھ)، 2030؛ محمد بن اسماعیل، بخاری، *صحیح البخاری*، ج11، ، چاپ 2(قاہرہ، وزارۃ الاوقاف، المجلس الاعلی للشئون الاسلامیۃ، لجنتہ إحیاء کتب السنۃ، 1410ھ)، 173؛ احمد بن محمد، ابن حنبل، *مسند الإمام احمد بن حنبل*، ج16، 50(بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، 1416ھ) ، 393؛ احمد بن علی، نسائی، *السنن الکبری*، ج4، 7(بیروت، دار الکتب العلمیۃ، منشورات محمد علی بیضون، 1411ھ)، 416۔

9 ۔ مسند احمد اور بخاری کا متن یہاں تک ہے۔

10. Yahya bin Salam, Taymi, *Tafsir Yahya bin Salam al-Taimi al-Basri al-Qairwani*, Vol. 1, 2 (Beirut, Dar al-Kutub Al-Elamiya, Manshoraat Muhammad Ali Bayzoun, 1425 AH), 249-248.

یحیٰ بن سلام، تیمی، *تفسیر یحیٰ بن سلام التیمی البصری القیروانی*، ج1، 2(بیروت، دار الکتب العلمیۃ، منشورات محمد علی بیضون، 1425ھ)، 248-249۔

11. Muhammad bin Ali, Ibn Babawiyah, *Mehani Al-Akhbar*, Al-Nass, Vol. 1 (Qom, Jamia Madraseen Hoz al-Ilmiyah Dafter Intasharaat Islami, 1361 SH), 381-382.

محمد بن علی، ابن بابویہ، *معانی الأخبار*،، النص، ج1(قم، جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ دفتر انتشارات اسلامی، 1361ش) ، 381۔382۔

12. Muhammad bin Muhammad, Ibn Ash'ath, *Al-Jaafariyat (Al-Asha'athiyat)* (Tehran, Chap. Awal, nd.), 177.

محمد بن محمد، ابن اشعث، *الجعفریات/الأشعثیات* (تہران، چاپ: اول، سن ندارد)، 177۔

13. Muhammad bin Ali, Ibn Babawiyah, *Min La Yahdrah al-Faqeeh*, Vol. 1, Chap. II (Qom, Dafter Mudersreen Intasharat Islami, 1413 AH), 209.

محمد بن علی، ابن بابویہ، *من لایحضرہ الفقیہ*، ج1 (قم، جامعہ مدرسین، دفتر انتشارات اسلامی، 1413ق.)، 209۔

14. Ali Raza Wasi, Kursi Tarwiji Arsa wa Naqadaida Ilmi, Tehiye az Maqola Hab Khuda wand dr Quran.

۔ علی رضا واسعی، کرسی ترویجی عرضہ و نقد ایدہ علمی، *تبیینی تمدنی از مقولہ حبّ خداوند در قرآن*:

http://radio.isca.ac.ir/music

15. Tabatabaei, *Al-Mizan fi Tafseer al- Qur'an*, Vol. 5, 383.

طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج5، 383۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت میں اسلامی تمدن کی تاسیس

رہبر انقلاب، آیت اللہ العظمی خامنہ ای (مدّظلّہ) کی نگاہ سے

The Foundation of Islamic Civilization in the Holy Prophet's Biography

From the Viewpoint of the Leader of Revolution Grand Ayatollah Khamenei

Open Access Journal

Qtly. Noor-e-Marfat

eISSN: 2710-3463

pISSN: 2221-1659

www.nooremarfat.com

Note: All Copy Rights are Preserved.

Dr. Muhammad Hussain Maqeesah

(Lecturer & Researcher of Cultural & Literal Departments; Tehran, Iran).

E-mail: dr.mhm1344@gmail.com

Translation: Mohaddisah Zainab

(B.S. Education, IIU, Islamabad).

E-mail: bintenadir.zainab14@gmail.com

Abstract:

The leader of the Islamic Revolution, Hazrat Ayatollah Grand Ayatollah Seyyed Ali Khamenei, has a deep and researched view of the existence of Prophet Muhammad, peace be upon him. As a religious scholar, in your eight decades of life, you have always highlighted the religious beliefs of Imam Huda (peace be upon him) and the Islamic leaders and predecessors and their lives and have given the best interpretation of it and this with almost satisfaction. It can be said that he has presented the most perfect statements and letters regarding the life history of the Holy Prophet, his commands and the analysis of his character.

Also, this work of the leader of the revolution includes all the stages of the life of the Holy Prophet (peace be upon him) from his birth to his death.

However, the meaning that the Leader has expressed in speeches, sometimes in his letters and in general, in his statement of position very carefully and often and with great skill and beauty, are three main points: namely, the beloved Prophet. Islam is the establishment of Islamic civilization on the basis of monotheism and ethics by Prophet Muhammad.
Monotheism; means to incline the thought of all men to an incorporeal being; In fact, mankind has to orient towards a single Origin from which everything in the universe is and to which it returns and which is beyond all powers. Ethics give direction to human character and according to them superior qualities like tolerance, patience, love, selflessness, sustainability etc., noble habits and human values are developed.
When monotheism and morality are adapted to the color of society and gathering, then the result is the formation of Islamic civilization. Because Muslims can keep monotheism and morals alive and promulgate it only by having a government system. In this paper, an attempt has been made to examine from the point of view of the leader of the Islamic Revolution, how the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) promoted monotheism and morals in his life and career, and as a result, the stain of Islamic civilization.

Key Words: Monotheism, Qur'an, Biography of the Holy Prophet, Prophetic Ethics, Islamic Society, Islamic Civilization.

خلاصہ

حضرت محمد ﷺ کے بابرکت اور دل آویز وجود پر رہبرِ انقلاب اسلامی، حضرت آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای کی نگاہ، تامل اور تحقیق کی نگاہ شمار ہوتی ہے اور آپ ﷺ کے بارے میں رہبر انقلاب کا تجزیہ و تحلیل انتہائی گہرا اور ہمہ گیر ہے۔ آپ نے اپنی آٹھ دہائیوں پر مشتمل زندگی میں ہمیشہ ایک عالم دین ہونے کے ناطے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اور اسلامی پیشواؤں اور اسلاف کے دینی عقائد اور ان کی سیرت کو اجاگر فرمایا اور اس کی بہترین تشریح بیان

کی ہے اور یہ بات تقریبا اطمینان کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ انہوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کی تاریخِ زندگانی، آپ ﷺ کے فرامین اور آپ ﷺ کے کردار کے تجزیہ و تحلیل کے حوالے سے کامل ترین بیانات اور مکتوبات پیش کیے ہیں۔ نیز یہ کہ رہبرِ انقلاب کا یہ کام آنحضرت ﷺ کی ولادت سے وفات تک کی زندگی کے تمام مراحل پر مشتمل ہے۔

البتہ جس بات کو رہبر نے تقریروں میں، بعض اوقات اپنی تحریروں میں اور کلی طور پر اپنے مؤقف کے بیان میں بہت باریک بینی کے ساتھ بہت کثرت سے اور بڑی مہارت وخوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ تین اہم نکات ہیں: یعنی پیغمبر گرامی اسلام حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں توحید پرستی و اخلاق محوری اور اسلامی سماج اور تمدن کی تأسیس۔

توحید پرستی؛ یعنی تمام انسانوں کی سوچ کو ایک لاشریک ہستی کی طرف مائل کرنا؛ توحید در حقیقت، بنی نوعِ بشر کو ایک ایسے واحد مبداء Origin کی طرف مائل کرنا ہے کہ کائنات کی ہر چیز جس سے ہے اور جس کی طرف لوٹتی ہے اور یہ ہستی تمام طاقتوں سے بالا تر ہے۔ اخلاق محوری میں انسانی کردار کو جہت Direction ملتی ہے یعنی انسان کو انسانی اقدار اور نیک اخلاق سے لگاؤ ہو جاتا ہے اور وہ بُردباری، صبر، محبت، ایثار، پائیداری وغیرہ سابقہ دو اقدامات کی تکمیل اسلامی سماج اور تمدن کی تشکیل پر ہوتی ہے۔ [کیونکہ] مسلمان فقط ایک حکومتی نظام کے ہوتے ہوئے ہی توحید پرستی اور اخلاقی راہ ورسم کو زندہ رکھ سکتے اور اس کا اجراء کر سکتے ہیں۔ اس مقالے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی انقلاب کے رہبر کے زاویہ نگاہ سے یہ جائزہ لیا جائے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی زندگی اور سیرت میں کس طرح توحید اور اخلاقیات کی ترویج کی اور اُس کے نتیجے میں اسلامی تمدن کی داغ بیل ڈالی۔

کلیدی کلمات: توحید، قرآن، پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت، نبوی اخلاق، اسلامی سماج، اسلامی تمدن۔

تعارف

توحید کی طرف دعوت کا مطلب، انسانوں کی سوچ اور طلب کا رُخ ایک ایسے مبداء عالم Origin of Universe کی طرف موڑنا ہے کہ جس کی طرف سے کائنات کی ہر چیز ہے [انا لله] اور جس کی طرف کائنات کی ہر چیز واپس گامزن ہے[و انا الیه راجعون]۔ مقالہ نگار کے خیال میں لوگوں کو دین مبین اسلام کی بنیاد اور اُس ماڈل پر جسے خود پیغمبر اکرم ﷺ سے [بطور اسوہ] لیا جا سکتا ہے، اخلاقیات کا پابند بنانا اور ایک ایسے سماج کی تشکیل کہ جس میں عدالت، آزادی، انفرادی اور اجتماعی تشخص Identity کی پاسداری، انسان کے مقام و مرتبہ اور انسانی

حقوق کا خیال رکھنے، نیز قدرت اور مسالمت آمیز ہمزیستی Co-existence کی تجلی نظر آئے اور اس سماج میں یہ معیارات واضح نظر آئیں، درحقیقت، آنحضرت ﷺ جیسے عظیم الشان پیغمبر کی مختلف مہمات سے پُر زندگی کے وہ اہم ترین راہ ہائے حل Solutions اور بلیغ ترین مساعی ہیں جو آپ ﷺ نے اپنے معاصر سماج کو اُن مشکلات سے نکالنے کے لئے جن میں وہ مبتلا تھا، انجام دیں۔ آپ کے عصر کا سماج، ایک ایسا سماج تھا جو ایک طرف متعدد جنگوں اور بہت زیادہ اختلاف کی فضا میں زندگی گزار رہا تھا، تو دوسری طرف اس سماج میں بسنے والے افراد جاہلیت کی ابتدائی زندگی اور بیہودہ اور بوسیدہ سماجی رسوم و رواج کے بندھن میں جکڑے ہوئے تھے۔

یہاں ایک انتہائی اہم نکتہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے عصرِ جاہلیت کے سماج کو اِس دلدل سے نکالنے کے لئے جو تین راہِ حل پیش کیے وہ موجودہ دَور میں بھی کارآمد ہیں؛ کیونکہ انسانی معاشروں، بالخصوص مسلمان معاشروں کی تاریخ اور زندگی کی حرکت کی جہت یہ بتاتی ہے کہ اگر وہ آپ ﷺ کے پیش کردہ راہِ حل کے پابند ہوں اور ہنرمندی کے ساتھ انہیں Update بھی کرلیں تو یقیناً درخشندہ نتائج حاصل کر پائیں گے۔ نیز یہ بات بھی اہم ہے کہ اگر ان تین موضوعات پر بخوبی تحقیق کی جائے، انہیں بیان کیا جائے اور انہیں نافذ کیا جائے تو اِس سے نبی کریم ﷺ کا راستہ اور منہج نمایاں ہوگا اور اسلامی نظریۂ حیات کی افادیت کی ترجمانی میں بہترین مدد ملے گی۔[1]

1) پہلا راہِ حلّ: توحید پرستی

بعثت کا زمانہ اور اس کے حالات

پیغمبر اسلام ﷺ اس پرآشوب دور میں مبعوث بہ رسالت ہوئے کہ جہاں دنیا جہالت کی مطلق تاریکی میں گم تھی۔ علم و روحانیت کا فقدان اور کامیابی کے راستے کی بندش، بنی نوع بشر کے لئے تکلیف دہ تھی۔ [عصر جاہلیت کی اس حالت کے حوالے سے] رہبر معظم انقلاب اسلامی فرماتے ہیں:

"اس وقت دنیا میں انسانی اقدار و احساسات مفقود تھے، سماجی عدالت نہیں تھی، نورِ علم اور علم کی جانب کوئی رغبت موجود نہیں تھی۔ اس زمانے میں یورپ حقیقتاً وحشیوں کی رہائش گاہ تھا۔ یعنی یورپ کے لوگ اپنے زمانے کے وحشی ترین اور بے علم ترین انسانوں میں سے تھے جہاں کسی طرح کے نور، علم اور معنویت کا کوئی وجود نہ تھا۔ خود رومی حکومت کے لوگ اپنی تمام تر عظمت کے باوجود شدید ضلالت و گمراہی کی زندگی گزار رہے تھے؛ معاشرے میں طبقہ بندی تھی، اخلاقی مفاسد عروج پر تھے، ظلم و جور کا دَور دورہ تھا، حاکم کے ہاتھوں میں بے مہار قدرت تھی۔ شاید آپ نے Sparta Case کے بارے میں سن رکھا ہو کہ جو روم میں غلاموں کے قیام کے بارے میں ہے۔ جب انسان اسے پڑھتا ہے تو بہت اچھی طرح سے جان لیتا ہے کہ اس زمانے میں روحانی، اخلاقی، علمی،

فکری اور معاشرتی لحاظ سے لوگوں کی زندگیوں پر قابل رحم صورتحال حاکم تھی۔ سورہ مبارکہ یاسین کی آیات ہیں:

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلاً أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ قَالُوا مَا أَنتُمْ إِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنزَلَ الرَّحْمَن مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلاَّ تَكْذِبُونَ (13-15:36)

ترجمہ: "اور آپ اُن کے لئے ایک بستی (انطاکیہ) کے باشندوں کی مثال (حکایۃً) بیان کریں، جب اُن کے پاس کچھ پیغمبر آئے، جبکہ ہم نے اُن کی طرف (پہلے) دو (پیغمبر) بھیجے تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلادیا۔ پھر ہم نے (ان کو) تیسرے (پیغمبر) کے ذریعے قوت بخشی، پھر اُن تینوں نے کہا: بے شک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ (بستی والوں نے) کہا: تم تو محض ہماری طرح بشر ہو اور خدائے رحمان نے کچھ بھی نازل نہیں کیا، تم فقط جھوٹ بول رہے ہو۔"

یہ انطاکیہ کا واقعہ ہے جو رومی حکومت کا ایک شہر تھا جس میں پیغمبروں کے مقابلے میں لوگوں کا طرزِ تفکر دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالی دو پیغمبروں کو وہاں بھیجتا ہے کہ جو لوگوں میں جب جاتے ہیں تو ان کی طرف سے تکذیب، تمسخر، توہین اور لاپرواہی کا نشانہ بنتے ہیں۔ پھر اللہ تعالی ایک تیسرے نبی کو بھی بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کرسکیں۔ جبکہ لوگ تمام تر قساوتِ قلب، لاپرواہی اور لاعلمی کے ساتھ ان پیغمبروں کا مذاق اڑاتے ہیں اور آخر میں ان سے کہتے ہیں: قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ (18:36) یعنی: "(بستی والوں نے) کہا: ہمیں تم سے نحوست پہنچی ہے۔" ہم تو تمہارے وجود کو ہی برا شگون جانتے ہیں! تم پیغمبر، ہمارے معاشرے کے لیے بدبختی کا باعث ہو! چنانچہ یہ تین پیغمبر اس زمانے کے انطاکیہ کے معاشرے میں، جو رومی حکومت کی حدود میں تھا، کسی بھی طرح سے قبول نہیں کیے گئے۔

ملک ایران کی صورتحال بھی، جس کی حدود بہت وسیع تھیں، اس زمانے کے روم کی صورتحال سے اگر بدتر نہیں، تو بہتر بھی نہیں تھی۔ وہاں بھی مکمل جابرانہ حکومت کا نظام چل رہا تھا اور عام عوام کے لیے عمومی غربت، طبقہ بندی اور علم سیکھنے کے عدمِ امکان کا مشاہدہ کیا جاسکتا تھا۔ شاید آپ نے شاہنامۂ فردوسی میں اس موچی کی کہانی پڑھ رکھی ہو جو اس بات کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنے کو تیار تھا کہ اس کے بیٹے کو صرف پڑھنے کی اجازت دے دی جائے لیکن اس وقت کے وڈیروں نے مخالفت کی اور اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر اس موچی کا بیٹا علم حاصل کرے تو صاحبِ علم ہو جائے گا اور مستقبل میں منشی اور دبیر بنے گا اور ہمارے بیٹوں کے ساتھ —کہ جو خود منشی و دبیر اور صاحبِ علم ہیں— مل بیٹھے گا اور اِس سے ہمارے بچوں کی توہین ہوگی! یہ اس معاشرے کا طرزِ تفکر تھا۔

ہندوستان بھی ایک قدیم تمدن اور پرانے ادیان سے بھرپور معاشرہ تھا لیکن رفتہ رفتہ صدیاں بیت جانے پر برہمن آئین بدترین صورتحال سے دوچار ہونے لگا۔ اسی دوران وہاں کئی نئے دین اور کئی نئی نبوّتیں آئیں۔ مثلاً جین مت اور بدھ مت، لیکن پھر یہ بھی زوال پذیر ہونے لگے اور وہاں بھی جہالت و ظلمت و تاریکی و گمراہی کی صورتحال، دنیا کے ان بڑے مقامات سے بھی زیادہ پسماندہ، بدتر اور خراب ہو گئی۔[2]

یورپی، ایرانی اور ہندوستانی معاشروں کی صورتحال کے حوالے سے کلی خدو خال بیان کرنے کے ساتھ ہی رہبر معظم نظام جمہوری اسلامی نے طلوعِ بعثت اور زمانہ پیغمبر خاتم ﷺ کے آغاز کو بھی موضوع بنایا ہے۔ وہ اس نکتے سے بھی غافل نہیں رہے کہ جزیرۃ العرب — یعنی وہ سرزمین کہ جہاں پیغمبر ﷺ نے اپنی تحریک کا آغاز کیا — کا بھی نقشہ کھینچیں تاکہ یہ بات واضح ہو سکے کہ ان کے ہم وطن لوگوں میں بھی، جو جغرافیائی لحاظ سے وہ پہلی جگہ تھی جہاں سے انہوںؑ نے اپنی رسالت کا آغاز کرنا تھا (جبکہ اس رسالت کی وسعت اس محدود علاقے میں ہی منحصر نہ تھی۔ پیغمبر ﷺ تو اس لیے تشریف لائے تھے کہ تمام انسانیت کو ظلمت سے چھٹکارا دلائیں) — بے شمار مسائل پائے جاتے ہیں۔ جن میں سب سے پہلا مسئلہ لوگوں کی گفتار، کردار اور سوچ میں یکجہتی کا فقدان تھا۔

[اس حوالے سے رہبر انقلاب فرماتے ہیں]:

"جزیرۃ العرب میں نظریاتی وحدت موجود نہیں تھی۔ کچھ لوگ مشرک تھے؛ کچھ یہودی اور کچھ عیسائی تھے اور یہ باہمی کشمکش اور لڑنے جھگڑنے میں مصروف تھے؛ یہودی مشرکین کے ساتھ، مشرکین یہودیوں کے ساتھ اور یہ سب عیسائیوں کے ساتھ اور پھر خود مشرکین میں بھی بہت سے قبائلی اختلافات اور حتی کہ قبائلی اختلافات سے بھی زیادہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کی آگ ت ہر وقت بھڑکتی رہتی تھی؛ یعنی مختلف جتھے اور گوناگوں گروہ ہمیشہ حالت جنگ میں رہتے۔"[3]

[آغاز بعثت میں بنی نوعِ بشر کا] دوسرا مسئلہ جو گذشتہ مسئلے کے درد اور تکلیف سے کہیں زیادہ دردناک تھا، جہالت کا درد اور علمی پسماندگی کا شکنجہ تھا اور ساتھ ساتھ اس علاقے کے لوگوں کی زندگیوں پر پڑنے والے داخلی ظلم کا سایہ اور طاغوتی قدرتوں کے حاوی ہو جانے کا دکھ بھی اس سے سِوا تھا۔

"جاہلیت کے اس معاشرے میں لوگوں میں کوئی معرفت نہیں تھی اور وہ گمراہی اور جہالت میں زندگی بسر کر رہے تھے[4]۔۔۔ غربت، لاعلمی، علمی پسماندگی اور داخلی مظالم اور طاغوتی طاقتوں کی حکومت اور اندرونی اختلافات وہ بلائیں تھیں کہ جنہوں نے اس زمانے میں جزیرۃ العرب میں رہنے والے لوگوں کی زندگیوں پر جہالت و تعصب کی حکومت قائم کر رکھی تھی۔[5]

اور [آغاز بعثت میں بنی نوعِ بشر کا] تیسرا مسئلہ بت پرستی کا رواج اور مکہ اور مسجد الحرام کے اندر اور باہر انسانوں کی

غلامی تھی۔

"اس زمانے میں جب کوئی مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام میں داخل ہوتا تھا تو سب سے پہلے اس کی نظر بتوں پر پڑتی تھی۔ مشرکین اور بتوں کے پیروکار اور پجاری ان کے سامنے سجدہ کرتے، چندے دیتے اور چڑھاوے چڑھاتے اور ... اس عالم میں اکثر معاشروں کی فکری بنیاد، بت پرستی اور انسانوں کی غلامی تھی۔"[6]

[آغاز بعثت میں بنی نوعِ بشر کا] چوتھا مسئلہ اُن اخلاقی اقدار کا فقدان تھا جنہیں انسانی معاشروں کی زندگی میں سب سے پائیدار سہارے کے طور پہچانا جاتا ہے مرسل اعظم آنحضرت ﷺ کے زمانے کا معاشرہ اِس سے بھی مکمل طور پر عاری تھا اور انسانی و الٰہی اخلاق سے خالی تھا۔[اخلاق کے بارے میں آپ آئندہ سطور میں مزید مطالعہ فرمائیں گے۔]

اب جبکہ معلوم ہو چکا کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت مغرب سے لے کر مشرق تک لوگ نسلی اختلافات، جہالت، بت پرستی، غلامی اور اخلاقیات کے فقدان کی آگ میں جل رہے تھے اور یوں گزر اوقات کر رہے تھے، سوال یہ تھا کہ اُن کے ان دکھوں کا حل اور چارہ کار کیا تھا؟ یہ چارہ کار کس کے ذمے اور کیسے ہونا تھا؟

توحید کی دعوت؛ حکیمانہ گفتار اور مدبرانہ کردار کے ساتھ

اس صورتحال میں، پیغمبر اکرم ﷺ اپنے گفتار و کردار کے ساتھ معاشرے کے میدان میں اترتے ہیں اور اس یقین پر ڈٹے رہتے ہیں کہ سب سے پہلے انسانوں کی سوچ اور نگاہ کو ان کی فطرت کے صحیح اور منطبق راستے پر گامزن کرنا ہو گا اور اس کے بعد ان کی زندگیوں کے دیگر موضوعات اور ذیلی امور کی جانب متوجہ ہونا ہو گا۔ اسی لیے ان کا سب سے پہلا اقدام، انسانوں کو توحید کے مدار میں حرکت میں لانا ہے اور ان کو اللہ تعالی کی ذاتِ بے بدیل اور مطلق قدرت اور نظامِ ہستی پر ایمان لانے کے لیے تیار کرنا ہے؛ کیونکہ [رہبر انقلاب کے بقول]:

"الٰہی ادیان، روحانی سیر و سلوک، پیغمبروں کی کوششوں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کی شہادتوں کا تمام تر ہدف یہی رہا ہے کہ انسان کو صراط مستقیم پر گامزن کیا جائے۔ یعنی انسان، اللہ کی جانب حرکت میں آئے، روحانی عروج اور انسانی کمال تک پہنچے۔۔۔"[7] [اسی لیے] بعثت نبی اکرم ﷺ کا پہلا قدم، توحید کی دعوت تھا۔ توحید صرف ایک فلسفی اور فکری نظریہ نہیں، بلکہ انسانوں کے لیے زندگی گزارنے کا طریقہ ہے؛ [یعنی] اللہ تعالی کو اپنی زندگی پر حاکم قرار دینا اور انسانی زندگی کے دامن کو مختلف طاقتوں کے ہاتھ سے چھڑوا دینا۔"[8]

پیغمبر گرامی ﷺ نے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ جو اللہ تعالی کی تبدیل نہ ہونے والے سنت کی مانند ہے اور جس کو گزشتہ انبیاء بھی اختیار کر چکے ہیں اور گویا اس طریقے کا کارآمد اور مؤثر ہونا اظہر من الشّمس امر ہے جس کے کارآمد ہونے کی ضمانت اللہ تعالی نے دی ہے۔ رہبر انقلاب اسلامی، حضرت آیت اللہ خامنہ ای اس بارے

میں فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ (36:16) ترجمہ: " اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ (لوگو) تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (یعنی شیطان اور بتوں کی اطاعت و پرستش) سے اجتناب کرو۔" توحید خالص، توحیدِ محض ہے۔ سورہ اعراف میں اور اسی طرح سورہ ہود میں بھی کئی قابلِ احترام پیغمبروں مثلاً نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ اور دیگر انبیاءؑ کی زبانی اس طرح کہا گیا ہے کہ: يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (7:65) یعنی: "اے میری قوم! اللہ تعالی کی پرستش کرو؛ کہ اُس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے۔" توحید، پیغمبروں کی بعثت کا سب سے پہلا مقصد ہے۔ البتہ آپ جانتے ہیں کہ توحید کا مطلب بھی صرف یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے ذہن میں یہ عقیدہ بٹھالے کہ اللہ ایک ہے اور دو نہیں ہیں؛ جی ہاں، یہ بھی ہے لیکن توحید کا ایک اہم معنی ہے اور وہ حاکمیت الٰہی کے معنی میں ہے؛ توحید کا مطلب عالمِ تشریع اور عالمِ تکوین — دونوں پر — اللہ کی مکمل حاکمیت ہے کہ جہاں امرِ الٰہی کو نافذ جاننا چاہیے؛ عالمِ تکوین میں بھی — عالم وجود کے تمام واقعات میں "لا حول و لا قوّہ الاّ باللہ" _ اور عالمِ تشریع میں بھی؛ یہ تمام حوادث و واقعات، اللہ کی قدرتِ واحدہ کی وجہ سے ہیں۔[9]

لوگوں کو توحید کی دعوت دینا، صرف رسالتِ پیغمبر ﷺ کے علاقے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ یہ وہ نکتہ ہے کہ جس کی طرف توجہ، قاری اور محقق کو پیغمبر ﷺ کی رسالت کے عالمگیر ہونے کی خبر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دانا رہبر کہ جو اپنی رسالت کو پوری دنیا کی رسالت سمجھتے تھے، دیگر علاقوں کے سربراہوں اور باسیوں اور دیگر بڑی حکومتوں کو بھی توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ انقلاب اسلامی کے رہبر اور بانی، امام خمینی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس موضوع کی جانب واضح اشارہ کیا ہے: "رسول اکرم ﷺ نے — جیسا کہ صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا خط موجود ہے — مشرقی روم (بیزانس) کے سلطان] ہرقل [ہرقل یا ہراکلیوس (575 — 641م) کے نام جو خط لکھا تھا اور جس طرح کہ تاریخ میں موجود ہے، آپ نے چار حکومتوں کے نام چار خطوط مرقوم فرمائے: ایک ایران، ایک روم، ایک مصر اور ایک حبشہ اور میں نے بعینہٖ آپ کے خط کی — جیسا کہ مجھے یاد ہے — ترکی کے عجائب گھر میں زیارت کی ہے۔ یہ چار خط جو آپ نے مرقوم فرمائے ہیں، چاروں حکومتوں کو بھیجے گئے۔ ان سب خطوط کا مضمون ایک ہی ہے اور ان میں ان (حکمرانوں) کو اسلام اور توحید کی دعوت دی گئی ہے؛ پوری دنیا اور تمام حکومتوں تک اسلام کے حقائق کو پہنچانے کے لیے اور لوگوں کو اسلام کا ایسا تعارف کروانے کے لیے کہ جیسا وہ حقیقت میں ہے، یہ ایک مقدمہ اور پیش خیمہ ہے۔"[10]

تاریخ نے گواہی دی ہے کہ جزیرۃ العرب اور ہر اس سرزمین اور علاقے کے باسیوں کی سوچ میں تبدیلی رونما ہوئی تک پیغمبر اکرم ﷺ کی ندا پہنچی اور انھوں نے اسے اپنی روح میں اتارا، زیادہ دیر نہ گزری کہ وہ بت پرستی سے

خدا پرستی کی طرف، اختلاف سے وحدت کی طرف، جہالت سے علم کی طرف، بیہودہ جنگوں سے جہاد کی طرف، مارے جانے سے شہید ہونے کی طرف اور سستی سے جدّوجہد کی طرف آئے اور ایک محدود جزیرہ نما علاقے سے گزر کر اسلام کو دوسری سرزمینوں تک بھی لے گئے اور اپنے زمانے کے تمام علوم میں، نظریاتی علوم سے لے کر عملی علوم تک، ریاضیات سے لے کر نجوم تک، فلسفے سے لے کر عرفان تک، کیمسٹری سے لے کر فزکس تک اور۔۔۔ علم و ہنر و طب و ادب کے ناموروں میں شمار ہونے لگے اور اس دن سے لے کر آج تک ان کے بیش بہا آثار سے انسانیت کئی فائدے حاصل کر چکی ہے۔[اس حوالے سے رہبر انقلاب کے عین الفاظ یہ ہیں]:

" اسلام اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے انہی کاموں کی وجہ سے عرب کے اُمّی یعنی اَن پڑھ " هُوالّذی بعث فی الاُمّیّین" (62 :2) معاشرے میں اُس وقت کہ جب موجودہ یورپ کو علم و دانش کی کوئی خبر نہیں تھی، اَن پڑھ عرب معاشرے کی سب سے بڑی یونیورسٹیاں اور سب سے بڑے سائنسدان اور کئی فارابی و ابن سینا و محمد بن زکریا و ابوریحان۔۔۔ وجود میں آئے۔"[11]

2) دوسرا راہ حل: اخلاق محوری

انسانی معاشروں کی سوچ اور فکر کے راست اور سمت کی تعیین کے بعد [بنی نوع بشر کو اُن مسائل سے نجات دلانے کے لئے جن کا اوپر بیان گزر چکا ہے] اگلا قدم یہ ہے کہ مقصد کی جانب حرکت اور حرکت کی رفتار کیسی اور کس طرح ے سے ہ؟ آیا انسان کے لیے جائز ہے کہ ہدف تک پہنچنے کے لیے ہر حربے کو اپنے استعمال میں لائے، ہر بات کہہ ڈالے اور ہر کام کر لے؟

یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پیغمبر ﷺ معاشرے کو پیش آمدہ مشکلات سے نجات دلانے کے لیے ایک کارآمد ترین منصوبہ اور حربہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ منصوبہ اور حربہ نہ تو پیغمبر ﷺ کا مال و متاع ہے –کہ جو ان کے پاس تھا ہی نہیں اور وہ مال و دولت جمع کرنے والے بھی نہ تھے – اور نہ ہی ان کی فوجی، قومی اور قبائلی طاقت اور قوت تھی؛ بلکہ وہ چیز جس نے لوگوں کو آپ ﷺ کے گرد ایسی جاذبیت اور کشش کے ساتھ جمع کیا ہے کہ آپ ﷺ گویا لوگوں کے درمیان موتی کی طرح چمک رہے ہوں، بس ایک ہی چیز تھیاور وہ آپ ﷺ کا نرم اور کریمانہ اخلاق ہے؛ جس کے بارے قرآن فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ (159:3) ترجمہ: " (اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں، اور اگر آپ تُندخُو (اور) سخت دل

ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے منتشر ہو کر بھاگ جاتے۔"

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ پیغمبر ﷺ ایک قانونی اور روحانی شخصیت (Legal/Spiritual Person) کے طور پر جانے جائیں، آپ ﷺ بعثت سے قبل لوگوں کے درمیان اپنے "اخلاق" کی وجہ سے جانے جاتے تھے اور " محمّد امین " وہ لقب تھا جو جوانی سے ہی جزیرۃ العرب کے باسیوں کی زبان پر خصوصی طور پر آپ ﷺ کے لیے استعمال ہوتا تھا [محمّد بن جریر طبری نے نقل کیا ہے کہ اِس سے پہلے کہ پیغمبر ﷺ پر وحی نازل ہو، قریش آپ کو "امین" کہتے تھے۔][12] اور سیرت نبوی کے بڑے مصنفین اس بارے یوں رقمطراز ہیں: " پیغمبر ﷺ کی ذات میں نیک خصوصیات اس درجہ کمال تک پہنچ چکی تھیں کہ مکہ میں ان کے لیے " امین " کے سوا کوئی نام ہی نہ تھا۔"[13]

- **جزیرۃ العرب کے معاشرے کی اخلاقی و معنوی صورتحال**

معاشرے کی اخلاقی صورتحال کی بہتری کے لیے پیغمبر اکرم ﷺ نے جو اقدامات کیے اُن کی بہتر شناخت کے لیے سب سے پہلے آپ ﷺ کے زمانے کے معاشرے کی اخلاقی حالت کا جائزہ لینا ہو گا۔ رہبر معظّم انقلاب، اُس جاہلی معاشرے کی حالت بیان کرتے ہوئے حضرت امام علی علیہ السلام سے یہ مطلب نقل فرماتے ہیں:

" بعثتِ پیغمبر ﷺ کے زمانے کی صورتحال کے بارے میں کہ جس کے حوالے سے امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ [منجملہ دوسرے خطبے] میں دس سے زائد مقامات پر تصویر کشی کی ہے، اُسے جان کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ کس طرح ایسی صورتحال میں انسان زندہ رہ سکتے تھے۔ لوگوں کی زندگیاں سراسر فتنوں کا شکار تھیں، ذہن ماؤف ہو چکے تھے، لوگوں کے لیے یقین کی ندیاں خشک ہو چکی تھیں ..."[14] پھر رہبر انقلاب خود اس معاشرے کی اخلاقی صورتحال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انسان اس زمانے میں اخلاقی لحاظ سے تنزلی کے آخری درجے پر تھے... وہ بُری طرح سے تعصّبات، توہمات اور خود غرضیوں میں جکڑے ہوئے تھے... پوری دنیا میں ایسی ہی صورتحال تھی۔"[15]

یہ بعثت نبوی ﷺ کے زمانے میں معاشرے کی اخلاقی بدحالی کا ایک مجموعی خاکہ تھا۔ ایسی پیچیدہ صورتحال میں پیغمبر ﷺ ایک کارآمد اور بہترین راہ حل پیش کرتے ہیں:

- **نیک گفتار، شائستہ کردار کے ذریعے لوگوں کو الٰہی اخلاق اپنانے کی دعوت دینا**

توحید کی جانب دعوت دیتے ہوئے پیغمبر اکرم ﷺ لوگوں کو [اس عقیدے کا] فکری طور پر قائل کرنے کے

در پے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ ان کی سوچ کی معیار کو بلند کریں گے اور ان کے ذہنی سوالات کا مناسب اور عقلمندانہ جواب دیں گے تو لوگ خود بخود بت پرستی سے خداپرستی کی طرف آ جائیں گے؛ لیکن ابھی لوگوں کو فکری طور پر عقیدہ توحید کا «قائل کرنا» بے سود تھا؛ لوگ پہلے پیغمبر ﷺ کی نصیحتوں کا نتیجہ عملی اور اعلانیہ طور پر خود انہی کے افعال میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ یہ جاننا اور لمس کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ لوگوں کو "صبر" کی دعوت دے رہے ہیں اور لوگوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ معاف کرنے والے بنیں، آپ ﷺ انہیں ایثار کی تعلیم دیتے ہیں اور ثابت قدمی کا درس پڑھاتے ہیں تو کیا آپ ﷺ خود بھی ایسا کرتے ہیں یا نہیں؟

اب ایک طرف یہ لوگ ہیں کہ جو ان کو حوادثِ دہر کی کشاکش میں مبتلا کیے ہوئے ہیں اور دوسری طرف ان کے وہ دشمن ہیں کہ جو ان کو روزانہ کی بنا پر تکالیف میں مبتلا کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ لیکن جب دوست اور دشمن، سب نے یہ دیکھ لیا کہ تمام تر توہین و تحریف و ظلم و ناشکری کے مدمقابل آپ نے کسی نامناسب گفتار اور نامطلوب برتاو کا اظہار نہیں کیا[1] تو آپ کے اسی اخلاق نے ان کو آپ کا اور آپکے دین کا گرویدہ و وابستہ بنا دیا اور اللہ نے بھی آپ کے اخلاق و کردار کو «خُلق عظیم» کے ساتھ تعبیر کیا۔

پیغمبر گرامی اسلام ﷺ کے باعظمت اخلاق کے بارے میں ان گنت مطالب و تشریحات موجود ہیں؛ مثال کے طور پر تفسیر نمونہ میں حضرت آیۃ اللہ العظمی مکارم شیرازی (حفظہ اللہ) کے قلم سے بیان ہوا ہے کہ: "اللہ تعالی سورہ قلم کی آیت نمبر ۴ میں پیغمبر ﷺ کے توصیف میں بیان فرماتا ہے: وَ إِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظيم (4:68) ترجمہ: "اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم درجے پر فائز ہیں۔" ایسا اخلاق کہ جس کے بارے عقل بھی محوِ حیرت ہے؛ بے نظیر محبت و مہربانی، بے مثل اخلاص اور اپنائیت، ناقابل توصیف صبر، ثابت قدمی، برداشت اور ہمت۔ اگر آپ لوگوں کو اللہ کی بندگی اور عبادت کی دعوت دیتے ہیں تو خود سب سے بڑھ کر عبادت گزار ہیں اور اگر

1 ۔ تاریخ کے اوراق پر پیغمبر اکرم ﷺ کے جاہل دوستوں اور ہٹ دھرم دشمنوں کی بے وقوفانہ حرکتوں کی کئی داستانیں ثبت ہیں۔ منجملہ، اُس شخص کی داستان جو ہر دن آنخضرت ﷺ پر راکھ یا بھیڑ کا فضلہ ڈال دیتا، لیکن جب وہ مریض ہوا اور بستر گیر ہو گیا تو اُس نے دیکھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ اس کے سرہانے اُس کی عیادت کے لئے تشریف فرما ہیں۔ قرآن نے بھی اس نکتہ کی یاددہانی کروائی ہے؛ جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا (63:24) یعنی: "اے مسلمانو! تم رسولؐ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو۔" اِس آیت کی داستان یہ ہے کہ بعض مسلمان جو یا تو پیغمبر اکرم ﷺ کی قدر و منزلت سے جاہل تھے یا آپ کے رفیع مقام و مرتبہ سے لاپرواہی کرتے تھے، جب آپ سے گفتگو کرتے تو گویا اپنے کسی ہم پایہ شخص سے بات کر رہے ہیں، لہذا آپ سے کہتے: "محمّد!" سورہ نور کی اِس آیت نے انہیں سمجھایا کہ پیغمبر اکرم ﷺ سے بات کرتے ہوئے آپ ﷺ کے احترام اور مقام و مرتبہ کو ملحوظِ خاطر رکھیں۔

بُرے کاموں سے روکتے ہیں تو خود سب سے پہلے ان کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔ آپ کو ستایا جاتا ہے لیکن آپ نصیحت کرتے ہیں! لوگ آپ کو برا بھلا کہتے ہیں اور آپ ان کے لیے دعا کرتے ہیں! آپ کو پتھر مارے جاتے ہیں اور گرم ریت آپ کے سر پر ڈالی جاتی ہے لیکن آپ ان کی ہدایت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتے ہیں! جی ہاں، آپ ہی محبت اور احساسات کا مرکز اور رحمت کا سرچشمہ ہیں۔

«خُلق» مادہ «خلقت» سے ہے جس کے معنی وہ صفات ہیں کہ جو انسان سے جدا نہیں ہوتے اور انسان کی خلقت اور بناوٹ کی طرح ہوتے ہیں۔ کچھ مفسرین نے پیغمبر ﷺ کے خُلق عظیم کو "راہِ حق میں صبر، ایثار و سخاوت کی وسعت، دوستی اور رواداری، اللہ کی جانب دعوت دینے میں مسائل کا برداشت کرنے، عفو و در گزر، اللہ کی راہ میں جہاد اور حسد اور لالچ کو ترک کرنے» سے تفسیر کیا ہے۔۔۔" [16]

رہبر معظّم انقلاب اسلامی نے بھی پیغمبر ﷺ کے «خُلق عظیم» اور نیک اخلاق کے بارے میں کہ جو بعثت سے قبل آنحضرت ﷺ کے وجود میں اجاگر ہوا اور دن بہ دن نمو پاتا گیا، فرماتے ہیں:

"جب تک کوئی خود بلند ترین اخلاقی اقدار کا حامل نہ ہو تب تک اللہ تعالی اس عظیم اور نازک کام [= بعثت] کی ذمہ داری اسے نہیں سونپتا؛ اسی لیے بعثت کے ابتدائی دنوں میں اللہ تعالی پیغمبر ﷺ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے: إِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عظيم۔ اسی لیے بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے کہ جو جوانی میں تجارت میں مشغول تھے اور اس ذریعے سے انہوں نے بہت مال حاصل کیا تھا، اس سب کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔۔۔ اس زمانے میں کہ جو پیغمبر ﷺ کے تکامل اور نزول وحی سے پہلے کا زمانہ تھا—وہ زمانہ کہ جس میں وہ ابھی پیغمبر بھی نہ بنے تھے—پیغمبر ﷺ حرا کی پہاڑی سے اوپر چڑھتے اور اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتے؛ آسمان، ستاروں، زمین، زمین پر موجود خلائق زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ ان سب میں اللہ کی نشانیاں دیکھتے اور حق کے لیے آپ کا خضوع اور اللہ کے اوامر و نواہی اور اللہ کے ارادے کے سامنے آپ کے خشوع میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور نیک اخلاق کی کلیاں آپ کے وجود میں دن بہ دن زیادہ کھلنے لگتیں۔" [17]

• اخلاقی اقدار کی تکمیل، بعثت کا ہدف

لوگوں کے الٰہی اخلاق کی طرف رجحان، اس پر ایمان اور اخلاقی مواعظ پر عمل، پیغمبر اکرم ﷺ کی بعثت کا مرکزی نقطہ ہے۔ یہ وہ مطلب ہے جو آپ ﷺ نے خود بیان فرمایا ہے اور رہبر کے کلام میں اس کی بازگشت یوں ہوئی ہے: "متواتر اور معروف حدیث کی بناء پر خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بُعثت لأتمّم مكارمَ الاخلاق۔ دنیا میں بعثت اس ہدف کے تحت ہوئی کہ انسان کی اخلاقی کرامتیں اور روحانی فضیلتیں رواج پائیں اور اپنے کمال تک پہنچیں۔" [18]

- **پیغمبر اکرم ﷺ کے اخلاق کی مسلمان معاشرہ پر عملی تاثیر**

مالک اشتر جو کہ ایک طاقت ور شخص اور حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے ایک کمانڈر تھے، جب اُن پر جب ایک دکاندار نے نے باسی سبزی کا کچھ کچرا پھینکا اور ان کا مذاق اڑایا تو آپ بغیر دکاندار کو کچھ سنائے، مسجد میں گئے اور اُس توہین کرنے والے دکاندار کے لئے مغفرت طلب کی۔[19] یہ داستان جو کہ امام علی علیہ السلام کے شیعہ کی حیثیت سے مالک اشتر کے عالی صبر اور فراوان حلم کی ایک اعلی مثال ہے، نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ رہبر معظم انقلاب اسلامی اپنی ایک تقریر میں ایک ایسے تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس کی سند بھی بیان کرتے ہیں۔ یہ واقعہ حتیٰ کہ مسلمانوں کی مفتوح سرزمینوں میں عیسائیوں اور ذمیوں (اہل ذمہ) کے حقوق کی پاسداری پر توجہ کی علامت ہے۔ سوچ اور نگاہ کی یہ قسم اور مسلمانوں کا ان لوگوں کے ساتھ سلوک جو ان کے ہم مذہب بھی نہیں تھے، سچا اور نرم اخلاق ان کی حکومت میں رہنے والے عیسائیوں کے لئے بہت تعجب آور تھا۔ مسلمانوں کے ذاتی اخلاق اور ان کے حکومت کرنے کے انداز پر پیغمبر اکرم ﷺ کی تاثیر کا ایک اور نمونہ یہ ہے:

کتاب "اخراج" کا مولف ابویوسف کہتا ہے: جب اہل ذمہ۔ یعنی شامات کے ان باسیوں نے جو عیسائی تھے اور مسلمانوں کے زیر نگیں تھے۔ نے مشاہدہ کیا کہ مسلمان ان کی نسبت اپنے عہد و پیمان کے کتنے وفادار ہیں تو وہ رومیوں کے دشمن بن گئے اور وہ مسلمانوں کی آنکھوں اور کانوں کا سا کام کرنے لگے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شہروں میں مسلمانوں کے موجود جاسوسوں کے ذریعے خبر ملی کہ رومی ان مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے روم کے شہروں اور دیہاتوں پر قبضہ جما لیا ہے تو اس وقت مسلمانوں کا کمانڈر ابو عبیدہ جراح تھا۔

ابو عبیدہ نے اُن شہروں میں جن کی آبادی عیسائیوں اور اہلِ ذمہ اور مغلوب اقوام پر مشتمل تھی، لیکن اُن شہروں کے حاکم مسلمان تھے کے نام ایک پیغام/عہد نامہ تقسیم کروایا اور حکم دیا کہ عوام سے تم نے جو خراج وصول کیا ہے، وہ واپس کر دو اور اُن سے کہہ دو کہ ہم تمہارا مال تمہیں واپس لوٹا رہے ہیں کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ رومیوں نے ہمارے خلاف ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا ہے۔ تم جب ہمیں ٹیکس اور خراج دے رہے تھے تو تمہاری شرط یہ تھی کہ ہم تمہارا دفاع کریں گے۔ [لیکن] اب ہم تمہارا دفاع نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جب ہم تمہارا دفاع نہیں کر سکتے تو ہم نے اس مد میں تم سے جو مال وصول کیا ہے خود تمہیں واپس لوٹا رہے ہیں۔ تمہارے شہروں سے ہم باہر نکل کر جنگ لڑنے جا رہے ہیں۔ اگر ہم اِس جنگ میں فتحیاب ہو گئے تو ہمارے تمہارے درمیان پہلے جو معاہدہ تھا، باقی رہے گا۔

جب ان سے لیا گیا خراج اُن کو واپس کیا گیا تو وہی عیسائی جن کے شہروں پر مسلمانوں نے قبضہ کیا تھا کہنے لگے: خدا تمہیں واپس لوٹائے، خدا تمہیں رومیوں پر فتح عطا کرے۔ اگر تمہاری جگہ رومی ہوتے تو وہ نہ صرف ہمیں ہمارا مال نہ لوٹاتے، بلکہ ہمارے دیگر اموال بھی چھین لیتے۔"

3) تیسرا راہِ حل: اسلامی تمدن کی بنیاد ڈالنا

- **مکتب اسلام میں دین اور سیاست کا رابطہ**

لوگوں کی توحید اور اسلامی اخلاق کی طرف رغبت کا ایک اہم ترین عامل، حکومت ہے۔ حکومت کے پاس چونکہ ہارڈ، سافٹ وسائل موجود ہوتے ہیں لہٰذا وہ آسانی سے ایک جانب طاقت کے عنصر سے اور دوسری طرف ملائمت اور مہربانی کے عنصر سے، استفادہ کرکے اور لوگوں کی زندگی کو مزید بہتر اور آرام دہ بنانے کے ساتھ ساتھ ان کی خواہشات اور عقائد کی بھی حفاظت کرے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ اپنی رسالت کے آغاز ہی سے اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے درپے تھے۔ لیکن یہ چیز ان مصلحت اندیشوں کو جو دین کو فقط مسجد، دینی محافل اور مجالس اور محض ذاتی گفتار و کردار میں دخیل دیکھنا چاہتے ہیں، پسند نہ آئی۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اسلام بلا سیاست کے نعرے کے داعی ہیں، وہی اسلام جس کے ساتھ استبداد گروں اور استعمار گروں کو کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہے، بلکہ اگر وہ ضروری سمجھیں تو اس کا ساتھ بھی دیتے ہیں۔ بہت سے ایسے ظالم حاکموں کی طرح کہ جو قرآن خوانی اور عزاداری کی محافل میں شریک ہوتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ گویا بڑے شریعت کے پابند ہیں۔

اس نوع کی سوچ کہ اسلام بغیر سیاست کے ہو، اتنی ہی پرانی ہے جتنی تاریخ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے سے لے کر پہلویوں کی حکومت اور حتی آج تک اور بعض عوام اور اہل فکر و مطالعہ خواص کے ہاں یہ سوچ پائی جاتی ہے۔
اسلامی جمہوریہ کے نظام کے بانی اور رہبر امام خمینی کے افکار پر ایک نظر ہمیں اس سوچ کی غلطی واضح کرتی ہے:
یہ ایک شیطانی چال ہے جس کی بنیاد بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں رکھی گئی اور اس کے بعد جو بھی حکومت آئی اُس نے بھی اسی بات کی تائید کی اور اِس آخری زمانے میں جبکہ مشرق و مغرب پر اسلامی حکومتوں کے دروازے کھل چکے ہیں تو یہ بات اپنے عروج پر پہنچی ہوئی ہے کہ اسلام بندے اور خدا کے درمیان چند ذاتی مسائل کا نام ہے اور سیاست اسلام سے جدا ہے۔۔۔[20] خدا کی قسم! اسلام سراسر سیاست ہے۔۔۔[21] جتنی آیات و روایات سیاست کے باب میں آئی ہیں اتنی عبادت کے بارے میں نہیں۔۔۔[22] ہم سب جانتے ہیں اور ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ صدیوں سے مسلمان جو بھگت رہے ہیں، وہ مسلمانوں کی اسلام کے سیاسی اور سماجی مسائل سے غفلت کا

نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کو استعمار گروں اور استحصال کرنے والوں اور ان کے مشرق و مغرب زدہ ایجنٹوں نے محروم مسلمان عوام حتی کہ مسلمان علماء پر یہ نظریہ تھوپا ہے کہ انہوں نے یہ سوچ رکھا ہے اور اب بھی اسی گمان پر باقی ہیں کہ اسلام سیاست سے پاک ہے اور ایک مسلمان انسان کو سیاست میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔"[23]

اسلامی انقلاب کے رہبر نے بھی یہی روش اپنائی ہے۔ آپ جو کہ ایک ایسے تجربہ کار دانشمند ہیں جنہوں نے سالہا سال تک سیاسی جدوجہد کی ہے، مطالعات کیے ہیں، اجرائی کام انجام دیے ہیں، سیاست کی دنیا کے سرد و گرم کو بخوبی سیکھا اور سکھلایا ہے، اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام اور سیاست کی آپس میں پیوستگی دینی، قرآنی اور نبوی تعلیمات کی کوکھ میں پوشیدہ ہے:

"اسلام کے بارے میں یہ دعویٰ بہت عجیب ہے کہ کوئی اسلام کو زندگی، سیاست، ملک کا نظم و نسق چلانے اور حکومت سے جدا سمجھے، اِن امور میں اسلام کی چھٹی کروائے اور اِن کے درمیان جدائی ڈالے۔[24]

وہ سیاست دان جو ہمیشہ اسلام کی سیاست سے جدائی کا راگ الاپتے ہیں اور دین کے وہ دعویدار جو ان کی مدد کو چڑھ دوڑتے ہیں اور یہی مدعا دہراتے ہیں، آیا کبھی انہوں نے قرآنی آیات، تاریخ اسلام اور شریعت کے احکام میں غور فرمایا ہے؟ آیا انہوں نے غور فرمایا ہے کہ اگر دین سیاست سے جدا ہے تو قرآن نے اتنے زیادہ سیاسی امور یعنی حکومت، قانون، زندگی کی صف آرائیاں، جنگ اور صلح، دوست اور دشمن کے تعین اور سیاست کے دیگر مظاہر، ان سب کو کیوں خدا، دین خدا اور خدا کے اولیاء کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے؟

آیا اسلامی جہاد جو کہ قرآن کی سینکڑوں آیات اور مسلمہ احادیث میں بیان ہوا ہے اور اعلیٰ ترین دینی فرائض میں شمار ہوتا ہے اور اُس کا ترک کرنا دنیا و آخرت کی ذلت اور بد بختی کا موجب ہے، کس چیز کو حاصل کرنے اور کن اقدار کے دفاع کے لئے واجب ہوا ہے؟ آیا پاکیزہ زندگی کہ جس کے حصول کے لئے جہاد کرنا چاہیے، غیر اللہ کی سرپرستی کے منحوس سائے میں زندگی گزارنے کے لئے ہے؟ اور اگر ایسا نہیں اور یہ اللہ تعالی کی حاکمیت کے حصول اور طاغوت کی سرپرستی سے نکلنے کے لئے ہے تو پھر دین اور دین کے متعین کردہ اہداف میں سیاست کے کردار اور قدر و قیمت کو کیسے کم قیمت تصور کیا جا سکتا ہے یا کیسے اس سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے؟[25]

اب جب کہ اُن دلائل کی روشنی میں جو اسلامی جمہوریہ کے پیشواوں نے بیان کیے ہیں اور قرآن و احادیث کی عین عبارات اور تاریخ سے دلائل بیان کر دیے ہیں، دین اور سیاست کے تعلق کا لازمی ہونا ہمارے لئے واضح ہے تو یہ بات بدیہی نظر آتی ہے کہ دین اور سیاست کے پیوند کا پہلا نتیجہ اور ثمرہ پہلے قدم پر اسلامی سماج کی تشکیل ہوگا۔

- **اسلامی سماج اور تہذیب و تمدن کی بنیاد**

اگر پیغمبر اسلام ﷺ اسلامی عقائد اور بنیادوں پر سماج کے تشکیل کے درپے نہ ہوتے تو بلا شک اسلام اسی جزیرہ نما

علاقے میں خاموش رہ جاتا اور حتیٰ کہ مکہ سے مدینہ تک بھی نہ پھیلتا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی فعالیت اور نظریات میں غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف ایک اسلامی سماج کی تشکیل کے درپے تھے بلکہ ایک وسیع افق کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تمدن کو وجود میں لانے کی فکر میں بھی تھے۔ یعنی آپ ایک طرف سے اسلام کو (جغرافیائی، ظاہری اور بیرونی حساب سے) مکہ و مدینہ کی جغرافیائی حدود سے بہت زیادہ وسیع تر علاقے میں پھیلانا چاہتے تھے اور دوسری طرف سے (باطنی، ایمانی اور اندرونی لحاظ سے) انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کے قلوب اور اذہان و افکار اور انفرادی و سماجی اعمال میں اسلامی تہذیب، عقیدے اور سوچ کو کنکریٹ کرنے کے درپے تھے؛ ایک ایسا خواب جو بہت جلد مسلمانوں کے ہاتھوں اور ہمت سے عملی جامہ پہن سکا اور اس نے ایک طرف سے عالم کے مشرق و مغرب کو روم کی سلطنت اور اندلس کی سرزمینوں کو خود میں لپیٹ لیا اور دوسری طرف سے ہندوستان، چین او مشرقی دنیا کے تمدن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور سب نے ایک ساتھ مسلمانوں کے قدموں کی آہٹ اور "«اشھد ان لا الہ الّا اللہ» و«اشھد انّ محمّداً رسول اللہ» کی صدا کو محسوس کیا اور سنا۔ اگر آج دنیا کے کونے کونے میں مسلمان پھیلے ہوئے ہیں، بعض جگہوں پر ایک قابل ذکر آبادی بھی ہیں اور اسلامی آئین اور رسومات کو زندہ رکھ سکتے ہیں – چاہے بعض علاقوں میں ان کے پاس حکومت نہ بھی ہو۔ تو یہ اُسی سوچ کے پیچھے چھپے ہوئے صدقے کی برکت سے ہے؛ وہ سوچ اور نظریہ کہ جو اسلام کو سماج کی تشکیل کے قَد کاٹھ اور اسلامی تمدن کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے، نہ کہ انفرادی اعمال کی حد و حدود میں اور سماج سے دُور، مساجد و امام بارگاہوں کے گوشوں میں۔

جمہوریہ اسلامی کے بانی، امام خمینی (رہ) نے اس نکتے پر اپنے بیانات میں بارہا توجہ فرمائی ہے اور ایک مخصوص تدبر کے ساتھ اپنے نظریات کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے بھی اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھنے پر زور دیا ہے اور اسی طرح دین مبین اسلام کے پھیلاؤ کو کشور کشائی کے طول میں فرض نہیں کیا اور اس دین کی تفسیر، روحانی ترقی اور انسانوں کے کمال کی منزل تک پہنچنے کے مترادف ہونے کے طور پر بیان کیا ہے۔

"اسلام کے آغاز سے لے کر اب تک اسلام میں جتنی منظّم تحریکیں تھیں اور وہ تمام چیزیں جو خلقت کی ابتداء سے انبیاء کے پاس موجود رہی ہیں اور اولیائے اسلام کے پاس تا آخر رہیں گی، اسلام کی معنویّات ہیں۔ حکومت کا قیام اسی لیے ہے۔۔۔[26] اسلام میں فتح کا حصول، ملک گیری کے لیے نہیں ہے۔ حکومت کے لیے ملک گیری اسلام کا حصہ نہیں ہے۔ فتح کا حصول اس لیے ہے کہ انسانوں کو، لوگوں کو کمال تک پہنچائے۔ اسلام کی فتوحات، دیگر طاقتوں کی فتوحات کی طرح نہیں ہیں۔"[27]

رہبر معظّم انقلاب اسلامی، حکومت کو اسلامی تشخص کو عمل میں لانے کے لیے ایک آلہ جانتے ہیں اور معاشرے اور حکومت کی بنیادوں کو برقرار رکھنے پر تاکید کرنے کے علاوہ حتی کہ اسلامی تمدن کے بارے بھی کھل کر بیان فرماتے ہیں تا کہ یہ دکھا سکیں کہ اسلامی نظریے کی وسعت کس حد تک وسیع ہو سکتی ہے اور یہ فکر کہاں تک پرواز کر سکتی ہے:

"دین اگر طاقت کے ساتھ ہو تو پھیل سکتا ہے اور بسیط ہو سکتا ہے، دینی اہداف اور مقاصد کو حقیقت میں بدل سکتا ہے اور جن مقاصد کا نعرہ دین لگاتا رہا ہے، انہیں معاشرے کے اندر وجود میں بھی لا سکتا ہے۔ لیکن یہ سب طاقت کے بغیر ناممکن ہے اور صرف طاقت کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ مثال کے طور پر کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ معاشرتی عدالت کو نصیحت، وصیت، التماس اور تمنا کے ساتھ معاشرے کے اندر پیدا کیا جا سکتا ہے؟ کیا معاشرتی عدالت، ناانصافی کا خاتمہ، قانون میں مساوات کو مستقل بنانے کیلئے مدد کو پورے معاشرے اور پوری دنیا کی سطح پر بغیر قدرت وطاقت کے کسی دوسری صورت میں وجود میں لایا جا سکتا ہے؟"[28]

نبیّ اکرم ﷺ وہ ممتاز شخصیت تھے کہ جن کو اللہ نے پوری تاریخ بشریت کے لیے ایک ایسی عظیم تحریک کے لیے تیار کر رکھا تھا؛ لہٰذا ۲۳ سال کے عرصے میں وہ ایک ایسی تحریک چلانے میں کامیاب ہوگئے جو تمام تر رکاوٹوں اور تمام تر مشکلات کے باوجود آج تک تاریخ کو آگے بڑھاتی رہی اور یہاں تک پہنچا پائی ہے۔... اس دورانیے کے تیرہ سال مظلومیت کے عالم میں گزرے اور معدود افراد ہی تھے جو متعصب، اندھے دل اور جاہل دشمنوں کی پیدا کی گئی سخت ترین مشکلات میں ثابت قدم رہ سکے۔ مضبوط بنیادیں قائم کی گئیں تا کہ اسلامی معاشرہ اور سماج ان بنیادوں پر استوار ہو سکے۔ اس کے بعد اللہ نے ایسی صورتحال پیدا کی کہ پیغمبر ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں اور اس نظام اور معاشرے کو وجود میں لائیں اور اس سماج کو وجود میں لانے کے لیے منصوبہ بندی کریں۔ وہ تمام دورانیہ کہ جس میں پیغمبر اکرم ﷺ نے اس نظامِ نو کے لیے منصوبہ بندی کی، اس کی تشکیل کی، اس کو تیار کیا اور آگے بڑھایا، دس سال پر محیط ہے۔ دس سال اگرچہ بہت ہی کم عرصہ ہے لیکن اسی عرصے میں پیغمبر اکرم ﷺ نے اس پودے کو کاشت کیا، اس کی آبیاری کی اور اس کے رشد اور نشوونما کا سامان فراہم کیا؛ آپ ایک ایسی تحریک کو وجود میں لا پائے جس نے ایک سماج کو جنم دیا۔ یہ سماج، انسانی سماج کی بلندترین چوٹی پر اپنے موزوں ترین دورانیے میں وجود میں آیا۔ یعنی تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں جبکہ اس وقت پوری دنیا میں سابقہ تمام تر معاشروں، طاقتور حکومتوں اور گوناگوں تاریخی وراثتوں کے باوجود کوئی بھی سماج، اسلامی سماج کی عظمت و رونق جیسا نہیں دیکھا گیا؛ یہ اسلام کا ہنر ہے۔"[29]

نتیجہ

پیغمبر گرامی اسلام حضرت محمد ابن عبداللہ ﷺ کے بارے میں رہبر معظم انقلاب اسلامی، حضرت آیت اللہ

العظمی خامنہ ای مدظلہ کی تقاریر اور خطوط کے مجموعے کے حوالے سے مطالعہ اور تحقیق اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں نسبتا ایک جامع تجزیہ و تحلیل پیش کیا ہے۔ لیکن ان سب میں توحید پرستی، اخلاق کی مرکزیت اور اسلامی سماج کے بنیاد کے یہی تین عناصر اس دور میں آنحضرت ﷺ کے بیانات میں سے تازہ ترین اجزاء کے طور پر نمایاں سمجھے جا سکتے ہیں اور ان کی وضاحت کرکے ان کو کارآمد اور موثر ہونے کی سطح تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ رہبر معظم نے مسئلہ توحید کو پیش کرکے در حقیقت عقیدتی پہلو، اخلاق کے موضوع کو بیان کرکے ثقافتی پہلو اور آخر میں معاشرے کی بنیاد کے تصور کا تعارف کروا کر سیاسی پہلو کی جانب اپنے قاری اور سامع کو متوجہ کرتے ہیں اور یہ تین اجزاء (عقیدتی، ثقافتی، سیاسی) ہمیشہ سے ہی اسلامی معاشرے کے لیے فکری اور اجتماعی نظام کے اہم اور فیصلہ کن ثابت ہوئے ہیں اور اس معاشرے کی زندگی پر حیرت انگیز اثرات ڈالتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ، بلاشبہ یہ تعلیماتِ نبوی غیر مسلموں کے لیے بھی اہم اور موثر ہو سکتی ہیں کیونکہ پیغمبر ﷺ کا درس اور پیغام تمام عالم کے لیے ہے۔ صرف ذاتی یا جغرافیائی نہیں ہے۔

مایه‌بخش هر دو عالم نور اوست　　　　بر جهان و جان، مقدّم نور اوست
نوشداروی همه دلها از اوست　　　　حلّ و عقد کلّ مشکل‌ها از اوست[30]

*****

References

1۔ چونکہ اس مقالہ میں رہبر معظم انقلاب اسلامی کی کافی زیادہ تقریروں اور تحریروں کا حوالہ دیا گیا ہے، لہٰذا ایسے تمام حوالہ جات کو مختصر طور پر "بیانات در۔۔۔" کے عنوان سے نقل کیا گیا ہے۔ ضمناً رہبر انقلاب کی تقریروں کا مکمل متن درج ذیل ویب سائٹ پر ڈھونڈا اور پڑھا جا سکتا ہے:

https://khamenei.ir/

2۔ بیانات در ستاد مرکزی سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی؛ 1367/7/17۔

3۔ بیانات در نهمین گردهمایی سراسری ائمّہ ی جمعہ؛ 1372/6/28۔

4۔ خطبہ ہای نماز جمعہ تہران؛ 1377/2/18۔

5۔ بیانات در دیدار کارگزاران نظام جمہوری اسلامی؛ 1370/11/13۔

6۔ بیانات در دیدار طلّاب مدرسہ ی حقّانی؛ 1377/10/27۔

7۔ بیانات در دیدار دانش آموزان و دانشجویان؛ 1374/8/10۔

8۔ بیانات در دیدار کار گزاران نظام جمہوری اسلامی؛ 1382/7/2۔
9۔ بیانات در سالروز عید سعید مبعث؛ 1399/12/21۔
10۔ روح اللہ، امام خمینیؒ، (1378ق)، ج2، 29و30۔
11۔روشنايي علم، 1396: 53و54 (بیانات در دیدار جمعی از مسئولان و مردم؛ 1369/7/4).
12۔ طبری، 1378ق، ج2، 290۔
13۔ابن سعد، ج1: 156۔
14۔ بیانات در جمع پاسداران ستاد مرکزی سپاہ؛ 1367/7/17۔
15۔ بیانات در دیدار قشرہای مختلف مردم؛ 1372/6/14۔
16۔ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج24، 379۔
17۔ بیانات در دیدار کار گزاران نظام جمہوری اسلامی و میہمانان کنفرانس وحدت اسلامی؛ 1385/5/31۔
18۔ایضاً۔

19. www.wiki.ahlolbait.com (19/8/1401- 14:50)

20۔روح اللہ، امام خمینیؒ، (1378ق)، ج16، 232۔
21۔ایضاً، ج1، 119۔
22۔ایضاً، ج5، 21۔
23۔ایضاً، ج17، 88۔
24۔ بیانات در دیدار کار گزاران نظام؛ 1375/9/19۔
25۔پیام بہ حجاج بیت اللہ الحرام؛ 1368/4/14۔
26۔امام خمینیؒ، 1378 AD.، ج20، 298۔
27۔ایضاً، ج8، 268۔
28۔ بیانات در دیدار کار گزاران نظام جمہوری اسلامی ایران؛ 1375/9/19۔
29۔ بیانات در دیدار مسئولان نظام جمہوری اسلامی ایران؛ 1390/4/9۔
30۔عطّار نیشابوری:

www.balagh.ir (15/8/1401-19:40)

اقبالؒ اور تصوف : بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

Iqbal and Mysticism

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Syeda Tayyaba Rubab
Assistant Professor Department of Urdu Government Graduate College for Women Carkhana Bazar Faisalabad
E-mail: zakisyed01@gmail.com

Dr. Shahida Yusuf
Associate Professor Department of Urdu (Retired) Government College Women University Faisalabad Professor Department of Urdu Rifa University Faisalabad Campus
E-mail: drsyusuf8@gmail.com

Abstract:
Generally, Allama Muhammad Iqbal is considered to be anti-Sufism. But the contention of the paper is that it is not so. This is the reason why the writer has called Allama Iqbal's anti-Sufism by some contemporary writers as a sign of intellectual misunderstanding and criticized some of his ideas. But is weighed. According to him, Allama Iqbal has opposed traditional Sufism, but he is not against the spirit of Sufism or practical Sufism. Iqbal disagreed only with the rituals and philosophy of Sufism.
On the contrary, Iqbal taught himself some of the teachings of the Sufis. For example, Iqbal complements and inspires the Sufi philosophy of seclusion. Because the Prophet's sitting in the corner of the Cave of Hira, in the journey of self-training, abandoning the world is necessary.

Similarly, Allama Iqbal did not oppose the Sufis' belief in Jihad Balnafs. Also, Iqbal's concept of poverty is very close to the teachings of the Sufis. Iqbal believes in optional poverty. Iqbal comes much closer to the viewpoint of the Sufis, who consider mysticism and realization to be revelation, intuition, but also the result of an inner inner and personal experience. Therefore, if we look at the common elements of Iqbal and Sufism, the characteristics of poverty, the power of love and the stability of self are seen in both.
One of the Sufi teachings of which Iqbal is not only convinced, but also promoted, is the teaching of the "Murshid-e-Kamil". According to Sufism, a seeker cannot complete his spiritual journey without a mentor.
Iqbal also emphasizes the need to follow a leader who is a perfect human being in the journey of self-realization. Iqbal's man of Qalandar, man of dervish, man of faith, man of universality, man of truth, perfect human being, free and free servant, he is the perfect teacher who introduces Islamic Sufism. Iqbal's Insan-e-Kamil or Mard-e-Hur and "Murshid" and "Qutb" of Sufis, both have the same characteristics.

Key Words: Self Consciousness, Philosophy of Mysticism, Spiritual Power, Aims of Mysticism, Holy Prophet, Saints, Completion, Teachings, Islamic History, Objection, Introversion, Quality

خلاصہ

عام طور پر علامہ اقبالؒ کو تصوّف مخالف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن پیشِ نظر مقالہ کا مدعا یہ ہے کہ ایسا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مقالہ نگار نے بعض معاصر مصنفین کی طرف سے علامہ اقبال کو تصوف مخالف قرار دیے جانے کو فکری کج فہمی کا شاخسانہ قرار دیا ہے اور اُن کے بعض نظریات کو میزانِ تنقید پر تولا ہے۔ اُن کے مطابق، علامہ اقبال نے روایتی تصوّف کی مخالفت کی ہے، لیکن آپ رُوحِ تصوّف یا عملی تصوّف کے مخالف نہیں۔ اقبالؒ نے صرف رسومات اور فلسفۂ تصوف سے اختلاف کیا ہے۔ اس کے برعکس، اقبال نے صوفیاء کی بعض تعلیمات کی بذاتِ خود تعلیم دی

ہے۔ مثال کے طور پر اقبالؒ نے صوفیاء کے گوشہ نشینی کے فلسفے کی تکمیل کی اور ترغیب دی ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی غارِ حرا کی گوشہ نشینی، خودی کی تربیت کے سفر میں ترکِ دنیا کو لازم قرار دیتی ہے۔

اسی طرح علامہ اقبالؒ نے صوفیاء کے جہاد بالنفس کے عقیدے کی بھی کوئی مخالفت نہیں کی۔ نیز اقبالؒ کا تصوّرِ فقر، صوفیاء کی تعلیمات کے بہت قریب تر ہے۔ اقبالؒ اختیاری فقر کے قائل ہیں۔ اقبال ان صوفیاء کے نقطۂ نظر سے بھی کافی قریب تر آجاتے ہیں جو عرفان و اِدراک کو وحی، وجدان، بلکہ ایک داخلی اندرونی اور ذاتی تجربے کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اقبالؒ اور تصوّف کے مشترکہ عناصر کو دیکھا جائے تو فقر کی خصوصیات، عشق کی قوتِ تسخیر اور خودی کا اِستحکام دونوں کے ہاں نظر آتے ہیں۔

وہ صوفیانہ تعلیمات جن کے اقبالؒ، نہ تنہا قائل، بلکہ مروّج بھی ہیں، اُن میں سے ایک تعلیم "مُرشدِ کامل" کی مریدی ہے۔ اہل تصوّف کے مطابق مرشد کے بغیر سالک اپنا روحانی سفر طے نہیں کر سکتا۔ اقبالؒ بھی خودی کے سفر میں ایک ایسے رہبر کی پیروی کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جو انسان کامل ہو۔ اقبالؒ کا مردِ قلندر، مردِ درویش، مردِ مؤمن، مردِ آفاقی، مردِ حق آگاہ، انسانِ کامل، بندۂ آزاد اور مردِ حُر، وہی مُرشدِ کامل ہی ہے جس کا تعارف اسلامی تصوّف کرواتا ہے۔ اقبالؒ کا انسانِ کامل یا مردِ حُر اور صوفیاء کا "مرشد" اور "قطب"، دونوں ایک سی خصوصیات کے حامل ہیں۔

کلیدی کلمات: خودی، فلسفہء تصوف، روحانی قوت، مقاصد تصوف، نبی پاک ﷺ، اولیاء، تکمیل، تعلیمات، مسلم تاریخ، اعتراض، باطنی صورت، خصوصیت۔

علامہ اقبالؒ کے نظریۂ تصوّف کی نادرست ترجمانی

اقبال نے انسان کی رُوحانی طاقت کا راز نظریۂ خودی میں سمویا ہے۔ یہی رُوحانی طاقت اولیاء اللہ کا خاص وصف ہے۔ اقبالؒ کو عموماً تصوّف کا مخالف سمجھا جاتا ہے لیکن اقبال نے فلسفۂ تصوّف اور نظامِ خانقاہی کی، یعنی روایتی تصوّف کی مخالفت کی ہے نہ کہ رُوحِ تصوّف یا عملی تصوّف کی۔ اقبالؒ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "فلسفیانہ اور مؤرخانہ اعتبار سے مجھے بعض ایسے مسائل سے اِختلاف ہے جو حقیقت میں فلسفے کے مسائل ہیں مگر جن کو عام طور پر تصوّف کے مسائل سمجھا جاتا ہے۔ تصوّف کے مقاصد سے مجھے کیونکر اختلاف ہو سکتا ہے۔ کوئی مسلمان ہے جو ان لوگوں کو بُرا سمجھے جن کا نصب العین محبتِ رسول ﷺ اللہ ہے اور جو اِس ذریعے سے ذاتِ باری سے تعلق پیدا کرکے اپنے اور دوسروں کے ایمان کی پختگی کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر میں تمام صوفیا کا مخالف ہوتا تو مثنوی میں ان کی حکایات و

مقولات سے اِستدلال نہ کرتا۔"[1]

زیرِ نظر مقالہ میں بھی فلسفۂ تصوّف نہیں بلکہ مقاصد تصوّف کے حوالے سے بحث ہے۔ اقبالؒ نے اپنے کلام میں جو شہرہء آفاق نظریات پیش کیے، ان سے مقاصد تصوف کو کس قدر تقویت ملتی ہے، اس کا مختصر اور مدلل بیان ہے تاکہ ان عناصر کی تکذیب ہوسکے جنھوں نے اقبالؒ کے نظریۂ تصوّف کو غلط رنگ دے کر اسے اپنی بے رُوح زندگی کے آئینے میں دیکھا ہے۔ یہ سچ ہے کہ تمام صوفیا کو درست نہیں کہا جا سکتا۔ ہر طبقے میں کچھ لوگ اصل ہوتے اور کچھ نقل لیکن خیر کو اصل سے نسبت ہے اور اصل کی تکذیب کے لئے نقل کو جواز نہیں بنایا جاسکتا۔

"اقبالؒ معاصرین کی نظر میں" میں شاملِ ادیب۔ اے۔ آبادی کا مضمون "علامہ اقبالؒ اور فلسفۂ تصوّف" فکری کج فہمی کا شاخسانہ ہے جو کچھ ادیب۔ اے۔ آبادی نے تصوّف کے متعلق کہا ہے۔ در حقیقت وہ تصوّف نہیں، نہ ہی اولیاء کرام کی تعلیمات کا حصہ ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف کا مطالعہ قرآن و حدیث بہت ہی محدود ہے اور فکر واحساس کے سفر میں چند گام چل کر ہی تھک گئے ہیں۔ تصویر کا ایک رُخ دیکھنا دانش مندی نہیں۔

دراصل وہ اولیاء کرام کی تعلیمات کا اِدراک نہیں کر سکے اور یہ جو وہ بار بار کہتے ہیں کہ "صوفی کہتے ہیں" یہ صوفی نہیں کہتے بلکہ ان کا گمان ہے کہ صوفی ایسا کہتے ہیں۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ صوفی کہتے ہیں کہ خودی کو چھوڑ دو، تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اقبالؒ سے پہلے خودی کا مفہوم کچھ اور تھا۔ صوفیا جس خودی کو چھوڑنے کی بات کرتے ہیں وہ منفی خودی ہے اور اقبالؒ نے جس خودی کی تعلیم دی یہ مثبت خودی ہے۔ نیز یہ کہ اقبالؒ نے خودی کو نیا مفہوم عطا کیا، پھر مضمون نگار کا یہ کہنا کہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو قربان کرکے محبوب کو دوسروں کے لئے چھوڑ جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ موصوف کے اِس خیال کی نفی کلامِ اقبالؒ سے ہی ہو جاتی ہے۔

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است　　　پس بنائے لا اِلٰہ گردیدہ است[2]

حق کی خاطر خود کو خاک و خوں میں مِلا کر لا اِلٰہ کی بنیاد رکھنا ایسے ہی ہے جیسے خود کو قربان کرکے محبوب کو دوسروں کے لئے چھوڑ جانا۔ اگر یہ قربانی نہ ہوتی تو آج کوئی لا اِلٰہ کہنے والا زمین پر باقی نہ ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ محبوب ایسے جانثار کو تب تک باقی رکھے جب تک خود باقی ہے اور اگر کبھی کسی صوفی نے غلط تعلیم دی بھی تو مسلکِ تصوّف کو اس پر موردِالزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ضروری نہیں کہ ہر صوفی واصل باللّٰہ ہو۔ بددیانتی تو ہر شعبہ میں ملے گی۔ اگر تاریخ میں جھوٹی احادیث بنوائی گئیں تو کیا آج سچی احادیث موجود نہیں؟ جھوٹی نبوت کے دعویدار کی وجہ سے الزام نبوت پہ نہیں آسکتا۔ اگر غزوہء اُحد اور حنین میں بعض مسلمان رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ کے بھاگ گئے تو اس کا نتیجہ یہ نہیں کہ نعوذ باللّٰہ غزوات کا سلسلہ ہی غلط تھا۔ اگر کوئی عالمِ دین اپنے علم سے مادی مفادات اور ہوائے نفس کی تسکین یا جاہ و منصب کے حصول کا کام لیتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ علم کی

اصل غلط ہے یا علم کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اگر ایٹمی پاور سے ہیروشیما اور ناگاساکی کو تباہ کیا گیا تو اس میں قصور ایٹمی ایجاد کا نہیں۔

اقبال اور صوفیاء میں مماثلات

تصوّف کی جزوی مخالفت سے اقبالؒ کی مراد وہ نہ تھی جو کہ کج فہم اور بصیرت سے محروم طبقے نے لی۔ اقبالؒ نے صرف رسومات اور اس فلسفہء تصوف سے اختلاف کیا جو کہ ہر ذی شعور کا حق ہے۔ فلسفۂ تصوّف کوئی رسول اللہ ﷺ نے تو پیش نہیں کیا کہ اس کی مخالفت نہیں ہو سکتی لیکن رُوحِ تصوّف کا اِنتہائی کمال خود نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے کہ آپ اخلاق کے بلند ترین درجے پہ فائز ہیں جو کہ تصوّف کا مقصود ہے۔ مضمون نگار نے جہاد بالنفس کے جہادِ اکبر ہونے پر طنز کیا ہے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ جہاد بالنفس کی معنوی حقیقت وہی ہے جو اقبالؒ کے تصورِ خودی کے مراحل کی ہے۔ اطاعت اور ضبطِ نفس کے مراحل سے گزر کر نیابتِ الٰہی کی منزل پہ پہنچنا، جہاد بالنفس ہی تو ہے۔ یہ انسانِ کامل کا مقام ہے اور انسانِ کامل کو صرف تلوار کے جہاد سے غرض نہیں۔ وہ تو تقدیرِ عالم کو بدلنے پہ قادر ہے۔ جہاد بالسیف صرف جبلی بہادری کا متقاضی ہے لیکن مردِ کامل نے ہزاروں منازل سر کی ہیں۔ اِس کے اِمکانات کی کوئی حد نہیں۔ اگر وہ جہاد کو صلح حدیبیہ میں بدل دے تو جو شک کرے یا اِنکار کرے وہ مسلمان نہیں۔ مضمون نگار نے نہ صرف صوفیا بلکہ اقبالؒ کا بھی حق ادا نہیں کیا اور نہ ہی بصیرت سے کام لیا ہے۔ موصوف نے لکھا ہے:

> ”صوفیوں کا کلام پڑھ کے دل سرد ہو جاتا ہے اور جی چاہتا ہے دُنیا کے شور و غوغا سے دُور ہو کر کہیں گوشۂ تنہائی میں جا کر بیٹھ جائیں۔ اقبالؒ کا کلام سن کر خون میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ تیغ بدست ابھی اُٹھ کر کہیں نکل جائیں اور جہاں کوئی ”سلطنتِ جم“ ملے اس پر ٹوٹ پڑیں۔“[3]

ہر ذی شعور بالخصوص اقبالؒ کا قاری جانتا ہے کہ گوشہ گیر ہوئے بغیر ”سلطنتِ جم“ پر ٹوٹ پڑنا ممکن نہیں اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ صوفی ہوں یا اقبالؒ، اُن کا ”ہر سخن اِک مقام سے ہے“ نہ تو صوفیا نے کسی کج فہم کو گوشہ نشینی کی ترغیب دی ہے اور نہ ہی اقبالؒ ہر کسی کو تلوار تھما دیتے ہیں۔ اقبالؒ خودی کی معرفت اور تکمیل کو مقدم رکھتے ہیں اور عرفانِ ذات کے لئے گوشہ نشینی کی ترغیب دیتے ہیں:

> اندکی اندر حرای دل نشیں　　　　ترکِ خود کُن سوئے حق هجرت گزیں[4]

اللہ کا نظام نافذ کرنے کو ولی اللہ کی تلوار ہی کارگر ہے۔ دونوں کیفیات کی حقیقت صرف انسانِ کامل پا سکتا ہے۔ ہر کوئی تلوار تھامنے والا ذوالفقار حیدری کا امیں نہیں ہو سکتا اور نہ ہر گوشہ گیر کو غارِ حرا کی سی گوشہ نشینی مقدر ہو سکتی ہے۔ اقبالؒ اپنی طرز کے مجتہد عصر ہیں اور فلسفۂ تصوف سے اِختلاف کا حق رکھتے ہیں ورنہ خودی کی تکمیل کا

سفر بھی ایک باطنی تحریک ہے جسے اقبالؒ اپنے انداز میں پیش کرتے ہیں اور اولیا نے اپنے انداز میں یہ بات کی۔ اِس اختلاف کی حقیقت امام خمینیؒ کی ایک تحریر سے واضح ہو سکتی ہے۔ انہوں نے ایک قصہ بیان کیا ہے:

> ”تین آدمی تھے جن میں ایک ایرانی تھا، دوسرا ترک اور تیسرا ایک عرب تھا۔ وہ آپس میں یہ بحث و تکرار کر رہے تھے کہ آج دوپہر کے کھانے میں کیا چیز کھائی جائے۔ ایرانی نے کہا کہ انگور مناسب رہیں گے۔ عرب نے کہا۔ نہیں، ہم تو عِنَب کھائیں گے۔ ترک بولا! نہیں۔ ہمیں یہ دونوں چیزیں منظور نہیں۔ ہم تو اوزوم کھائیں گے۔ چونکہ وہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے آپس میں اِختلاف ہوا۔ کہتے ہیں کہ آخر ان میں سے کوئی گیا اور انگور لے آیا۔ دیکھا تو سب ایک ہی چیز کے لئے کہہ رہے تھے۔“[5]

یوں ہر طبقۂ فکر کی اپنی زبان اور اِصطلاحات ہوتی ہیں ایک باعمل صوفی کم و بیش انہی صفات کا حامِل ہے جو اقبالؒ کا تصوّرِ انسانِ کامل ہے۔ عرفانِ نفس کے ذریعے معرفتِ الٰہی کے بحرِ بے کراں میں غوطہ زن ہونے والے اولیاء اللہ وہی لوگ ہیں جن کی اقبالؒ کو تلاش ہ۔ے جن کی توصیف وہ اپنے کلام میں بھی کرتے ہیں۔ اقبالؒ قوم کی بقاکے لیے مردِ کامل کا وجود ضروری سمجھتے ہیں۔ تصوّف میں یہ نظریہ قطب کی صورت میں ہے۔ قطب ایک ایسا ولی کامِل ہے کہ جس کی کائنات میں موجودگی ضروری ہے۔ ہر دور میں کوئی نہ کوئی قطب موجود ہوتا ہے۔ اس کے بغیر نظامِ کائنات نہیں چل سکتا۔ فلسفۂ تصوّف میں اقبالؒ کو جو خامیاں نظر آتی ہیں، راقم الحروف کی رائے میں ان کی مثال تحقیق میں اُس محقق کی سی ہے جو اگرچہ اِبتدائی خاکہ تیار کرتا ہے لیکن جب تحقیق کی راہوں کا سفر درپیش ہو اور اس سے کچھ نتائج اخذ ہوں تو ضروری نہیں کہ وہ اِس خاکے سے مطابقت بھی رکھتے ہوں جو محض فکری صلاحیت سے تشکیل پایا تھا۔ میدانِ عمل کے نتائج اُس سے مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ بعینہٖ فلسفۂ تصوّف کی خامیاں پیچھے رہ جاتی ہیں اور واصل باللہ اولیاء اللہ جن مقامات سے گزرتے ہیں، ان کا بیان بھی ممکن نہیں۔ اقبالؒ عملی تصوّف کے حامی ہیں اور متصوّفانہ صفات کے واصف بھی۔ اِس طرح اقبالؒ کو تصوّف کا مخالف نہیں کہا جا سکتا۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی رقم طراز ہیں:

> ”ایسے صوفیا جن کے یہاں افلاطونی فکر نہ ہو بلکہ قرآنی فکر ہو، جو انسان کو عمل اور جد و جہد کی دعوت دیتی ہے اور زندگی کا ایک حرکی نظریہ بخشتی ہے جو اقبالؒ کے نزدیک اصل تصوّفِ اسلامی ہے، جس سے ان کو اِختلاف نہیں۔“[6]

اقبالؒ نے نظامِ خانقاہی کی مخالفت کی ہے۔ ان کے نزدیک اِس نظام میں خودی کے اِمکانات محدود ہو جاتے ہیں۔ انسان کی ذاتی صلاحیت کو زنگ لگ جاتا ہے اور وہ باطل سے ٹکرانے کی قوت پیدا نہیں کر سکتا۔ اِس طرح

ملتِ اسلامیہ کا اجتماعی تشخص مجروح ہوتا ہے۔

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم　　　　عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور[7]

اقبالؒ کا تصوّرِ فقر، صوفیا کی تعلیمات کے بہت قریب ہے۔ فقر میں اقبالؒ رسولِ پاک ﷺ، حضرت علیؑ اور امام حسینؑ سے اِکتسابِ فیض کرتے ہیں جہاں فقر اپنی اصل اور مکمل حالت میں باعثِ تقلید ہے۔

چیست فقر اے بندگانِ آب و گل　　　　یک نگاہ راہ بین، یک زندہ دل

فقر خیبر گیر با نانِ شعیر　　　　بستۂ فتراک او سلطان و میر

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست　　　　ما امینیم ایں متاعِ مصطفیٰؐ است

حکمتِ دیں دلنوازی ہائے فقر　　　　قوتِ دیں بے نیازی ہائے فقر[8]

فقر مومن چیست ، تسخیرِ جہات　　　　بندہ از تاثیر او مولیٰ صفات

فقر عریاں گرمی بدر و حنین　　　　فقر عریاں بانگِ تکبیر حسینؑ

بر عیار مصطفیٰ ﷺ خود را زند　　　　تا جہانِ دیگرے پیدا کند[9]

اے مادی دُنیا کے غلاموں فقر کیا ہے؟ ایک بابصیرت آنکھ اور ایک دل بیدار فقر، وہ جو، جَو کی روٹی کھا کر خیبر فتح کرنے والا ہے۔ سلطان اور امیر سبھی اس کے فتراک میں بندھے ہوئے ہیں۔ فقر ذوق و شوق اور تسلیم و رضا کا نام ہے۔ یہ مصطفیٰ ﷺ کی دولت ہے اور ہم اِس کے امین ہیں۔ فقر کی دلنوازیاں دین کی حکمت ہیں اور فقر کی بے نیازیاں دین کی قوت ہیں۔ مومن کا فقر کیا ہے؟ کائنات کو تسخیر کرنا! اس کی تاثیر سے بندے میں اللہ کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ معرکۂ بدر و حنین سے قوتِ فقر کا اظہار ہوتا ہے۔ امام حسینؑ کے کربلا میں نعرۂ تکبیر سے فقر آشکار ہوتا ہے۔ پہلے وہ (درویش) خود کو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ میں ڈھالتا ہے تاکہ ایک نئی دُنیا پیدا کر سکے۔ اقبالؒ کو کمزور فقر ہرگز قابلِ قبول نہیں ان کے نزدیک ترکِ دُنیا سے دُنیا پر تسلط کا کام لینا ہے نہ کہ زمانے کے سامنے ہتھیار ڈالنا۔ اقبالؒ کے نزدیک کمزور ہونا ایسے ہے کہ جیسے

وائے آں شاہیں کہ شاہینی نہ کرد　　　　فرغکِ از چنگے او نامد بدرد[10]

میں ایسے فقر سے اے اہلِ حلقہ باز آیا　　　　تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری[11]

اقبالؒ اختیاری فقر کے قائل ہیں۔ اختیار اور قوت کے ہوتے ہوئے بے نیازی اور قناعت پسندی سے کام لینا اور اس قوت سے باطل پہ غالب آ جانا اقبالؒ کا فقر ہے۔

اِک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری　　میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیری[12]

یہ فقر مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے　　رہی نہ دولتِ سلمانیؓ و سلیمانیؑ[13]

خوددار نہ ہو فقر تو ہے قہر الٰہی　　ہو صاحبِ غیرت تو ہے تمہید امیری[14]

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

''فقر کی یہ اِصطلاح اور اس کا صوفیانہ تصوّرِ اقبالؒ کے کلام میں اِس کثرت سے ملتا ہے کہ بے شمار اشعار ان کے مجموعہ ہائے کلام سے پیش کیے جا سکتے ہیں۔''[15]

اقبالؒ رسمی صوفی نہیں ہیں لیکن ان کا اندازِ بیاں صوفیانہ ہے اور صوفیانہ اِصطلاحات بھی ان کے کلام میں ملتی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالشکور احسن لکھتے ہیں:

''تصوّف اور طریقت کے سلسلے میں یہ حقیقت جاننا بہت ضروری ہے کہ علامہ نے اپنے کلام میں طریقت یا تصوّف کی اس تعریف کو فقر کے نام سے یاد کیا ہے اور اِس مسلک کے علمبردار کو فقیر کہا ہے مگر یہ وہ فقر ہے جو اقوام کو دلگیری اور افسردگی کے بجائے جہانگیری کے آداب سکھاتا ہے۔ جس میں ضعف و ناتوانی کی بجائے قوت اور عجز و نیاز کے بجائے بے نیازی کی شان ہ۔ے اس کی بے نیازی کا یہ عالم ہے کہ فقیر اپنے خرقہ کو بھی بارِ دوش سمجھتا ہے۔''[16]

اقبالؒ کے فقر کی یہ طاقت، بے نیازی، حق گوئی اور دیگر قلندرانہ صفات یہی ولیٔ کامل کے اوصاف ہیں۔ اقبالؒ انہی اوصاف کو پسند کرتے اور خود کو اس قالب میں ڈھالنے کی آرزو رکھتے تھے۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی رقمطراز ہیں:

''اقبالؒ خود اپنی زندگی کو اِسی اسلامی اور صوفیانہ قلندری اور درویشی کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے تھے۔ ان کو نہ اپنی شاعری پر ناز تھا، نہ علم و حکمت اور فلسفہ پر، نہ وہ اپنی سیاسی بصیرت پر ناز کرتے تھے، وہ کیا تھے؟ اس کا اندازہ ان کے آخری دو اشعار سے ہوتا ہے۔''[17]

سرودِ رفته باز آید که ناید　　نسیمِ از حجاز آید که ناید
سرآمد روزگارے ایں فقیرے　　دیگر دانائے راز آید که ناید[18]

''بانگِ درا سے مثنوی مسافر'' تک کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہے کہ اقبالؒ عقل و دانش پر قلندری و درویشی کو ترجیح دیتے تھے۔ اقبالؒ کے ہاں رندی، درویشی اور قلندری، فقر کے مترادفات ہیں۔ وہ درویشی کو پسند کرتے اور عمر بھر

دولت سے بے نیاز رہے۔ فقر، عزت، آبرو اور ذوق و شوق پیدا کرتا ہے۔ ان کے فقر کی طاقت مہر وماہ پہ لرزہ طاری کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر ابو سعید نورالدین اقبالؒ کے فقر کے متعلق لکھتے ہیں:

"ان کے نزدیک فقر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صاحبِ فقر، کار جہاں سے یکسر دست بردار ہو کر اور جاہ و دولت سے اپنادامن بچاکر گوشۂ عافیت اختیار کرے، صحیح فقر دراصل غنائے نفس کا نام ہے۔"[19]

اقبالؒ مغرب کی مادی ترقی اور اِخلاقی بے راہ روی کو جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری سمجھتے اور ملتِ اسلامیہ کے مسائل کا حل دانشِ مشرق اور حکمتِ قرآنی میں تلاش کرتے۔ دورِ حاضر میں انسان نے فلسفہ و دانش سے زندگی میں بڑی آسانیاں پیدا کر لی ہیں لیکن رُوح کے گوہرِ مقصود کو نہیں پا سکا۔ ان آسائشوں میں کھو کر انسان خود سے دُور ہوتا چلا گیا اور عرفانِ ذات حاصل نہ کر سکا اور عشق کی قوتِ تسخیر سے محروم رہا:

عشق ناپید و خرد می گزدش صورتِ مار　　　عقل کو تابع فرمانِ نظر کر نہ سکا

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا　　　اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا　　　زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا[20]

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

"اقبالؒ کا نقطۂ نظر بنیادی طور پر ان حکما اور مفکرین سے مختلف ہو جاتا ہے جو محض عقل و دانش اور علم و تعقل کو اِدراک اور عرفان کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ ان صوفیا کے نقطۂ نظر سے قریب تر آجاتے ہیں جو عرفان واِدراک کو وحی، وجدان، بلکہ ایک داخلی اندرونی اور ذاتی تجربے کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک فلسفیوں کی موشگافیوں سے ایک طلسمِ خیالی ضرور کھڑا ہو جاتا ہے لیکن اس سے حضوری حاصل نہیں ہوتی۔"[21]

دانشِ حاضر کی چیرہ دستیوں کا مزہ اقبالؒ نے اپنی لوحِ احساس پر چکھا۔ وہ اپنی قوم کو تہذیب حاضر کی غلامی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے فرد اور اجتماع کی رُوحانی تربیت ضروری تھی۔ چونکہ تصوّف بھی فرد کی رُوحانی نشو و نما کرتا ہے۔ اس لیے اقبالؒ تصوّف پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

"غلام قوم مادیات کو رُوحانیات پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور جب انسان میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو وہ ہر ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتا ہے جس کا مقصد قوتِ نفس اور رُوحِ انسانی کا ترفع ہو۔۔۔ بہرحال حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکامِ الٰہی خودی میں اِس حد تک سرایت کر

جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے۔ بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے لیکن ہندی اور ایرانی صوفیا میں سے اکثر نے مسئلہ فنا کی تفسیر فلسفۂ ویدانت اور بدھ مت کے زیرِ اثر کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اِس وقت عملی اعتبار سے ناکارہ محض ہے۔ میرے عقیدے کی رو سے یہ تفسیر بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک تھی اور ایک معنی میں میری تمام تحریریں اسی تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں۔"[22]

اقبالؒ کا خلوص اور ملتِ اسلامیہ کے لئے ان کا دردِ دل یقیناً قابلِ ستائش اور ان کے شاعرانہ نظریات اپنے دلنشیں اسلوب میں لازوال اور عدیم المثال ہیں لیکن علامہ نے کبھی کبھی تصوف پر بے جا حملے بھی کیے ہیں اگرچہ ان کی شخصیت اتنی دلپذیر اور دلآویز ہے کہ اس کے باوجود وہ ''اقبال'' ہی رہتے ہیں۔ غیر اسلامی تصوف کے اثرات پر تنقید بجا ہے لیکن جب وہ تصوف کی شاعری کو دورِ انحطاط کی کمزوری کا نتیجہ قرار دیتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ انحطاط تو تصوّف کی پیداوار نہ تھا بلکہ عیاش مسلمان حکمرانوں کی خود غرضیوں، جاہ پرستیوں، باطل پرستیوں اور ظلم وجور روا رکھنے کا نتیجہ تھا جو کور باطن تھے، جو تزکیۂ نفس نہ کرسکے اور نفس کی ہلاکت کا شکار ہو گئے اور نتیجتاً حکومت بھی کھو بیٹھے۔ ایک غلط تاثر یہ بھی عام ہے کہ ناکام لوگ تصوّف کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ تصوّف کی طرف توصرف باکردار لوگ مائل ہو سکتے ہیں جو متاعِ فقر سے مالامال ہوں اور حق گوئی کی جرأت رکھتے ہوں۔ خلافتِ راشدہ کے تیسرے عہد میں جب بنواُمیہ کو نوازا گیا۔ اقرباء پروری کا بازار گرم ہوا اور بنواُمیہ کے ایما پر معاشرے میں سرمایہ داروں کا تسلط قائم ہونے لگا اور اِسلامی مساوات رُخصت ہو گئی تو حضرت ابوذر غفاریؓ کا کردار لائقِ تحسین ہے۔ وہ غربا کو ان کے حقوق کا احساس دلاتے ہوئے امیر شام کے عتاب کا نشانہ بنے اور شام بدر کر دیئے گئے۔ مدینہ میں آئے۔ یہاں بھی بنواُمیہ کی ملوکیت کو چیلنج کیا اور مروان بن حکم کی کینہ دوزی کے سبب مدینہ بدر کر دیئے گئے۔ انہی سختیوں کو برداشت کرتے ہوئے ربذہ کے لق ودق صحرا میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''تصوّف عہدِ خلافتِ راشدہ میں بھی موجود تھا جس کی مثال ابوذر غفاریؒ اور سعید بن المسیّب کی شخصیت میں ملتی ہے۔ پھر عہدِ بنواُمیہ میں بھی ایسے صحابہ اور تابعین موجود تھے جو حکومتِ وقت کے مظالم کے خلاف اخلاقی سطح پر جنگ کر رہے تھے۔ اِسلامی تاریخ میں سب سے زیادہ شان و شوکت اور عیش و تنعّم کا زمانہ خلافتِ عباسیہ کا ہے اور اس دور میں کیسے کیسے کبار صوفیا پیدا ہوئے ہیں ان کے نام بھی گننا مشکل ہے۔"[23]

بغداد کی تباہی سے تصوّف کا سلسلہ جوڑنا کوئی زیادہ ٹھوس دلیل نہیں بلکہ عیش و عشرت کے زمانہ میں تصوف زیادہ پروان چڑھا۔ اگر اُس وقت جو کہ اسلام کا اِبتدائی دور تھا، اسلامی حکمرانوں نے اپنی زندگیوں میں رُوحانیات کا دخل رکھا ہوتا۔ پاک باطن لوگ برسرِ اقتدار ہوتے جو حُبِ جاہ، حُبِ مال اور حُبِ نفس کا میلان نہ رکھتے تو مسلمانوں کی سلطنت و حکومت کو کبھی زوال نہ آتا۔ یہ اخلاقِ رذیلہ ہی تو تھے جو مسلمانوں میں جڑ پکڑتے گئے اور زوال کا سبب بنے۔ بنواُمیہ اور بنوعباس کی ملوکیت اسلامی نظام کے لئے سمِ قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ ملتِ اسلامیہ کو تو تصوف کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس دور میں بھی اگر معرفتِ الٰہی اور اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رہا تو صرف متصوّفانہ رُجحانات کی وجہ سے جس نے اِسلام کے حقیقی وجود کو برقرار رکھا اور اگر تصوف نے دُنیا سے بے رغبتی کا درس دیا تو یہ اس دور کے عین موافق تھا۔ جب مسلمان مغلوب ہو چکے تھے تو دُنیا کو بے مایہ سمجھ کر کم از کم اپنے اندر تو اسلام کی حقیقت کو زندہ رکھ سکتے تھے جو دُنیا پر دوبارہ غالب آنے کے لئے اور ملتِ اسلامیہ کے تشخص کو بحال کرنے کے لئے ازبس ضروری تھا۔ انہی حالات میں حافظ کے کلام کی افادیت سے بھی اِنکار ممکن نہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

> ”حافظ کا اندازِ بیاں اقبالؒ کے نقطۂ نظر سے ناپسندیدہ ہے لیکن اپنے مخصوص انداز میں حافظ جس حقیقت کو بیان کرنا چاہتے ہیں، اقبالؒ بھی اِسے تسلیم کرتے ہیں۔“[24]

اقبالؒ حافظ سے متاثر تھے۔ ان سے عقیدت بھی رکھتے تھے اور ان کے کمالِ فن کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری رقم طراز ہیں:

> ”اتنی ہنگامہ آرائی اور بحث و تکرار کے بعد جب دیکھتا ہوں کہ اقبالؒ حافظ کی شاعری سے بے حد متاثر ہیں اور ان کی تعریف بھی کرتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے کہ آخر اقبالؒ نے دوسرے صوفی شعرا کو چھوڑ کر صرف اسی شاعر کو ہدفِ تنقید کیوں بنایا جس کے فن سے وہ اس قدر پیار کرتے ہیں۔“[25]

دراصل اقبالؒ تصوّف کے ان عناصر کی مخالفت کر رہے تھے جو وقت کا تقاضا نہ تھے۔ انہیں فلسفۂ وحدت الوجود سے بھی اِختلاف تھا۔ اقبالؒ تصوف کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرونِ اولیٰ میں اس کا لیا جاتا تھا۔) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تصوّف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظامِ عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات سے متعلق موشگافیاں کرکے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری رُوح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔“[26]

اسرارِ خودی کی پہلی اشاعت کے دیباچے میں اقبالؒ نے خواجہ حافظ کو تصوّف کے حوالے سے کڑی تنقید کا نشانہ بنایا جس کی کچھ عناصر نے مخالفت کی۔ اکبر الہ آبادی نے بھی اقبالؒ کی اس تنقید کو پسند نہ کیا چنانچہ اقبالؒ نے دوسرے ایڈیشن میں یہ حصہ حذف کروادیا کہ کہیں اسرارِ خودی کی افادیت بھی اس وجہ سے کم نہ ہو جائے۔ اکبر الہ آبادی کے نام ایک خط میں رقم طراز ہیں:

"اسرارِ خودی میں جو کچھ لکھا گیا، وہ ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھی جو مسلمانوں میں کئی صدیوں سے پاپولر ہے۔ اپنے وقت میں اس نصب العین سے ضرور فائدہ ہوا۔ اِس وقت یہ غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہے۔ خواجہ حافظ کی ولائت سے اس تنقید میں کوئی سروکار نہ تھا۔"[27]

پروفیسر محمد فرمان "اقبالؒ اور تصوّف" میں صوفیا کی معرفت اور تصوف کے مثبت اوصاف کو قابلِ ستائش گردانتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"تصوف خالصاً اسلامی تعلیمات کی عملی صورت کا نام ہے اور جب اس میں غیر ضروری عناصر کو شامل کرکے افراط و تفریط اختیار کی گئی ہے تو اپنے اپنے وقت پر ہر سلسلے کے پیرِ طریقت نے اپنے اجتہاد اور مکاشفات کی بنا پر اس کی اِصلاح کی ہے اور دین و دُنیا دونوں کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ ان کے ہاں نہ فرقہ بندی ہے نہ کینہ پروری۔"[28]

البتہ اقبالؒ اگر نظریۂ وحدت الوجود سے اِختلاف رکھتے ہیں تو قابلِ اعتراض نہیں کہ اختلاف رکھنا باشعور لوگوں کا شیوہ ہے اور اس حقیقت کے اعتراف میں بھی باک نہیں کہ اُمتِ مسلمہ کے درد کو محسوس کرکے اس کے اجتماعی شعور کو بیدار کرنے میں جو کردار علامہ نے اپنی، الہامی، عجیب التاثیر، ولولہ انگیز اور آفاقی شاعری سے ادا کیا، اس کی نظیر تاریخِ ادبیاتِ عالم میں نہیں ملتی۔ اگر اقبالؒ کے اعتراضات ان کے شاعرانہ تخیلات و نظریات کی روشنی میں دیکھے جائیں تو وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن قدرت نے سب کو ایک خمیر سے پیدا نہیں کیا۔ ہر باکمال انسان اور فنکار اپنی کچھ منفرد خصوصیات رکھتا ہے۔ اس انفرادیت کو تسلیم کیے بنا چارہ نہیں۔ اقبالؒ حافظ کے ہاں حالتِ سُکر کی بھی مخالفت کرتے ہیں تو یہ ایک حد تک درست ہے کہ مستقل حالتِ سکر مستحسن نہیں لیکن خاص حالات اور وقتی کیفیات میں اسے یکسر مسترد بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جب اقبالؒ کہتے ہیں: اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی،[29] تو کیا یہ حالتِ سکر نہیں۔ البتہ اقبالؒ اِس حد تک حق بجانب ہیں کہ:

"جو لوگ اِس حالت کو مستقل بنالیتے ہیں وہ کشمکش حیات کے بالکل قائل نہیں رہتے۔"[30]

جو حالت بھی زندگی کو غیر متوازن کردے، اس سے لوٹنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اقبالؒ نے خواجہ حافظ کا شعر:

در کوئے نیک نامی مارا گزر نہ دارند　　　　گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا[31]

حافظ کی شاعری کے منفی اثرات میں پیش کیا ہے جسے سن کر اورنگ زیب عالمگیر نے طوائفوں کی سزا معاف کر دی۔ اقبالؒ کہتے ہیں "حافظ کی شاعرانہ جادوگری نے ایک متشرع اور نیک نیت بادشاہ کو جو آئین حقہ شرعیہ اسلامیہ کی حکومت قائم کرنے اور زانیات کا خاتمہ کرکے اسلامی سوسائٹی کے دامن کو اس بدنما داغ سے پاک کرنے میں کوشاں تھا، قلبی اعتبار سے اس قدر ناتواں کر دیا کہ اسے قوانین اسلامیہ کی تعمیل کرانے کی ہمت نہ رہی اور اگر عالمگیر، دارا کے معاملے میں بھی "بادشمناں مدارا" پر عمل کرتا تو ہندوستان میں شریعتِ اسلامیہ کی حکومت کبھی قائم نہ ہوتی۔"[32]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اورنگ زیب نے طوائفوں کے لئے پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا کوئی اہتمام کیوں نہ کیا؟ جو کہ حاکمِ وقت کا فرض ہے۔ سلطنت میں کوئی غیر شرعی کام طاقت کے زور پر ختم نہیں کیا جا سکتا اور پھر عالمگیر کوئی "متشرع اور نیک نیت" بادشاہ نہ تھا اور نہ ہی اس نے اپنی ذات پر شریعت کو لاگو کیا تو وہ دوسروں کو سزا دینے کا مجاز کیسے ہو گیا؟ نہ ہی ہندوستان میں کوئی اِسلامی حکومت قائم ہوئی۔ مسلمانوں کی حکومت کو اِسلامی حکومت نہیں کہا جا سکتا۔ نہ جانے کیوں مسلمان شاہ پرستی کی روایت میں مبتلا ہیں؟ دارا کے معاملے میں اسے "بادشمناں مدارا" نہیں، "بادوستاں مروّت" پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ شرعی حکم صرف انسانِ کامل صادر کر سکتا ہے اور اقبال کے ہی نظریات کے مطابق نظامِ الٰہی صرف "مردِ کامل" کے ہاتھوں نافذ ہو سکتا ہے/جس معاشرے کا ہر فرد ہوس کا شکار ہو۔ کوئی جنسی ہوس کا تو کوئی ہوس مال و زر کا، کوئی ہوسِ جاہ و منصب کا تو کوئی ہوسِ نام و نمود کا، وہاں صرف طوائف کو سزا دینے سے معاشرہ پاک نہیں ہو سکتا۔ اقبالؒ اورنگ زیب عالمگیر کی شخصیت کے کھوٹے کھرے کو خاطر میں نہیں لائے۔ صرف اس کے متعلق مروّجہ رائے سے متاثر ہیں۔ اورنگ زیب نہ صرف لائقِ تحسین نہیں بلکہ قابلِ مذمت اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب بھی ہے کہ جو شخص ہوسِ اقتدار میں اپنے باپ اور بھائی کا خون کر سکتا ہے۔ اس سے کیا خیر کی اُمید ہو سکتی ہے۔ نہ وہ اِس قابل ہے کہ اس سے استدلال کرتے ہوئے اُس کے کردار کو قابلِ تحسین بنا کے پیش کیا جائے۔

اقبالؒ کا تصوّف پہ ایک اور اعتراض یہ ہے کہ تصوّف کی اِصطلاح اِبتدائے اسلام میں رائج نہیں تھی، نہ کوئی مجذوب تھا۔ اس دعوے کا جواب یہ ہے کہ کسی اِصطلاح کا رائج ہونا بنیادی نقطہ نہیں بلکہ اِس حالت کی موجودگی اہم ہے۔ اِصطلاحات تو وقت کے ساتھ ایجاد ہوتی اور بدلتی بھی رہتی ہیں۔ یہ حالت اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ تاریخِ انسانیت، اور مجذوب سے مراد اگر ابنارمل انسان نہیں بلکہ اللہ کے راز کو جذب کرنے والا ہے تو یہ افراد ہر دور میں پائے گئے۔ کبھی انسان کی ذہنی و قلبی استعداد کے مطابق بھی اس پہ کیفیات وارد ہوتی ہیں جو اس کی مخصوص صلاحیت کے موافق ہوں، جن سے فرار یا اِنکار ممکن نہیں۔ جس طرح ایک بے بصیرت انسان کو کتنا ہی رُوح کا

احساس کیوں نہ دلایا جائے، جب تک اس کے اندر یہ کیفیت پیدا نہ ہو، وہ محسوس نہیں کرے گا۔ شریعت کے ظاہر پر عمل پیرا ہونے والا ارکانِ اسلام کی باطنی صورت سے اِنکار کر دیتا ہے تو دراصل اس کی فہم و فراست ہی اس کا ساتھ نہیں دیتی۔ اِسی طرح مختلف رُوحانی کیفیات کا معیار فلسفیانہ انداز میں قائم نہیں ہو سکتا۔

اقبالؒ بعض صوفیانہ مضامین کو شعائرِ اسلام کی توہین سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ نے ابو سعید ابی الخیر کی ایک رُباعی کا حوالہ دیا ہے جس میں وہ سمجھتے ہیں کہ دِلفریب طریقے سے جہاد کے فلسفے کی تردید کی گئی ہے۔ رُباعی یہ ہے:

غازی بہ رہِ شہادت اندر تگ و پوست غافل کہ شہید عشق فاضل تر ازوست
در روزِ قیامت ایں باد کی ماند ایں کشتۂ دُشمن است وآں کشتۂ دوست[33]

یہاں بھی علامہ نے یہ الزام دیا ہے کہ تمام صوفیانہ شاعری دورِ انحطاط کی پیداوار ہے۔ اس سلسلے میں علامہ موصوف کا ردِّ عمل زیادہ شدید ہے۔ رُوحانیات کے حوالے سے شیخ ابو سعید ابوالخیر کی رُباعی میں جہاد کی تردید نہیں بلکہ جہادِ اکبر کی ترغیب ہے۔ یہ رُباعی حرف بہ حرف سچ ہے۔ بلاشبہ جہادِ اکبر، جہادِ اصغر سے افضل ہے اور شہادت میں بھی فضیلت کا یہی معیار ہے۔ بے شک اللہ کی رضا میں جان قربان کرنے والے کا بڑا درجہ ہے لیکن اگر وہ اللہ کی معرفت نہیں رکھتا تو ایک عارفِ حق کے مقام کو کیسے پا سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جہادِ اصغر کرنے والا جہادِ اکبر میں شہادتِ عظمیٰ کے مقام پر پہلے سے فائز ہو چکا ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب انسانِ کامل نے تلوار اُٹھائی تو اس کے نتائج اور تھے۔ یہ معرکہ ہمیشہ کے لئے اَمر ہو گیا، جیساکہ بدر وحنین اور خیبر وخندق کا معرکہ یا معرکۂ کربلا، لیکن جب عام انسان نے تلوار کے زور پر جہاد کیا تو وہ اپنے نقش قائم نہ رکھ سکا جیساکہ روم کی فتح یا اندلس کی فتح کچھ عرصے بعد دوبارہ شکست میں بدل گئی۔ خود اقبالؒ کے نظریات میں انسانِ کامل جو کہ ضبطِ نفس یا جہاد بالنفس کے مرحلے سے گزر کر نیابتِ الٰہی کی منزل پر پہنچ جاتا ہے، وہ سب سے برتر انسان ہے۔ موسیٰ بن نصیر اندلس کی گلیوں میں پھرا کرتا کہ ہے کوئی جو فاتح اندلس کو ایک وقت کا کھانا دے۔ اگر اس نے جہاد بالنفس کیا ہوتا تو دُنیا اس کے قدموں میں ہوتی اور اس کا "فقرِ غیور" کسی کو خاطر میں نہ لاتا۔

اقبالؒ اور تصوّف کے مشترکہ عناصر کو دیکھا جائے تو فقر کی خصوصیات، عشق کی قوتِ تسخیر اور خودی کا اِستحکام، کم و بیش یہی تصوّف کے اوصاف ہیں۔ اقبالؒ کے تصوّرِ خودی اور صوفیا کے جہاد بالنفس کے متعلق پروفیسر محمد فرمان رقم طراز ہیں:

> "اطاعت اور ضبطِ نفس اقبالؒ کی خودی کے پہلے دو مراحل ہیں۔ ان مراحل کو جس خوبی اور جدوجہد کے ساتھ صوفیائے کرام نے طے کیا ہے، اس کی شہادت صوفیائے کرام کی ہر تاریخ اور ہر تذکرے سے مِل سکتی ہے۔ شیخ کے حکم کی تعمیل، نفس کی تربیت اور احکامِ الٰہی پر اِستقامت کے ساتھ پابند رہ کر جو کردار کا اعلیٰ نمونہ ان حضرات نے پیش کیا ہے، وہ اُمت کے دوسرے برگزیدہ افراد کے ہاں کم نظر آتا ہے۔"[34]

صوفیا مرشد کو ضروری گردانتے ہیں۔ مرشد کے بغیر سالک یہ سفر نہیں کر سکتا۔ اقبالؒ بھی مرشد کے قائل ہی۔ں خودی کے سفر میں بھی ایک رہبر انسان کامل کی ضرورت ہے۔

دمِ عارف نسیم صبح دم ہے   اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر   شبانی سے کلیمی دو قدم ہے[35]

اقبالؒ کا مردِ قلندر، مردِ درویش، مردِ مومن، مردِ آفاقی، مردِ حق آگاہ، انسانِ کامل، بندہ آزاد اور مردِ حُر، وہی ولی کامل ہے جس کا تعارف اسلامی تصوّف کرواتا ہے۔ دونوں تزکیۂ نفس اور استحکامِ خودی کی بدولت آفاق کی وسعت کو اپنے من میں سمیٹ لیتے ہیں۔

ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی   گھر اس کا نہ دہلی، نہ بخارا، نہ بدخشاں[36]

ڈاکٹر عبدالشکور احسن اقبالؒ کے مردِ حُر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مردِ حُر کی پہلی خصوصیت اس کا جذبۂ ایمانی اور اس کی بے مثال جرأت و شجاعت ہے۔ "لاتخف" (خوف نہ کر) کے ایزدی پیغام نے اسے میدانِ عمل کا شہسوار بنا دیا ہے۔ لاکھ حکیم سر بہ جیب ہوں تو وہ ایک کلیم سر بکف کے مقام کو نہیں پہنچتے۔ لاالہٰ کے تصوّر نے اس کے ضمیر کی شمعیں روشن کر دی ہیں اور وہ کسی سلطان و امیر کو خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ راہِ طلب میں یوں زمین پر قدم رکھتا ہے کہ اس کے سوز سے راہوں کی نبضیں دھڑکنے لگتی ہیں۔ سنگِ راہ اس کے سامنے شیشے کی طرح پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ حریر میں ملبوس اربابِ اِقتدار، اس فقر عریاں کے خوف سے پیلے پڑ جاتے ہیں۔ موت اِس کی رُوح کو پائندہ تر بنا دیتی ہے۔"[37]

سرِ دیں مارا خبر اورا نظر   او درونِ خانہ ما بیرونِ در
ما کلیسا دوست ما مسجد فروش   او زدستِ مصطفیٰ ﷺ پیمانہ نوش[38]

اقبالؒ کا انسانِ کامل یا مردِ حُر اور نظریۂ تصوّف کا "قطب" ایک سی خصوصیات کے حامل ہیں۔ تصوّف میں "قطب" کی موجودگی، کائنات کا رُوحانی نظام چلانے کے لئے ضروری ہے اور اقبالؒ کا مردِ کامل کائنات کی تقدیر بدلنے اور نظامِ الٰہی کے قیام کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کی قوتِ تسخیر، نقوشِ باطل مٹا دیتی ہے۔ اقبالؒ ایک مردِ کامل کے منتظر ہیں۔ قرآنِ پاک میں بھی انتظار کرنے کا حکم ہے۔

"فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ" (20:10)

ترجمہ: "(تو کہہ دیجیے کہ تمام غیب کا اختیار اللہ کو ہے۔ تم انتظار کرو۔ میں بھی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔)"

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا　　　اے فروغِ دیدئہ اِمکاں بیا
رونقِ ہنگامہ ہا ایجاد شو　　　در سوادِ دیدہ ہا آباد شو
شورشِ اقوام را خاموش کن　　　نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن
باز در عالم بیار ایام صلح　　　جنگجویاں را بدہ پیغام صلح[39]

"انسان کامل دُنیا میں خدا کا حقیقی نائب اور انسانیت کا حقیقی حکمران ہو گا۔ وہ اپنی فطرت کے خزانہ سے دوسروں کو "دولتِ حیات" بخشے گا۔ انسان ارتقاکے مدارج جس قدر طے کرتا جائے گا، اسی قدر اس سے قریب تر ہوتا جائے گا۔ انسان جس قدر اس کی طرف بڑھتا جائے گا، اسی قدر وہ کمال کے درجہ تک پہنچتا جائے گا۔"[40]

خاتم الانبیاء ﷺ تشریف لا چکے۔ اب وہ مردِ منتظر جس کا اقبالؒ بھی اِنتظار کر رہے ہیں، امام مہدی علیہ السلام کے سوا کون ہو سکتا ہے؟

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی　　　گیا دورِ حدیث "لن ترانی"
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار　　　وہی مہدیؑ وہی آخر زمانی[41]

*****

References

---

1. Syed Abdul Wahid Moini, *Maqalaat Iqbal* (Lahore, Tufail Art Printers, 1988), 204.

سید عبدالواحد معینی، *مقالاتِ اقبال* (لاہور، طفیل آرٹ پرنٹرز، 1988ء)، 204۔

2. Dr. Muhammad Iqbal, *Bang-e-dara* (Lahore, Ghulam Ali Publishers, 1974) , 110.

ڈاکٹر محمد اقبالؒ، *بانگِ درا* (لاہور، غلام علی پبلشرز، 1974ء)، 110۔

3. Adib. A. Abadi, Allama *Iqbal aur Phalsa Tusuf*, Mashmola: Iqbal Mehsreen ki Nazir mein, (ed.) Prof. Syed Waqar Azim (Lahore, Majlis-e-Traghi-Adab, 1973), 195.

ادیب۔اے۔آبادی،علامہ اقبالؒ اور فلسفہ تصوف، مشمولہ:اقبال معاصرین کی نظر میں ، (مرتبہ) پروفیسر سیّد وقار عظیم (لاہور، مجلس ترقی ادب،1973ء)،195۔

4. Dr. Muhammad Iqbal, *Asrar-Rumoz* (Lahore, Ghulam Ali Publishers, 1976), 110.

ڈاکٹر محمد اقبال،اسرار ورموز (لاہور،غلام علی پبلشرز،1976ء)،110۔

5. Ayatollah Mutahari, Allama Tabatabai, Ayatollah Uzma Khomeini, *Sir o slok* (Karachi, Jamia Tehlimat Islami, 1995), 23.

آیت اللہ مطہری،علامہ طباطبائی،آیت اللہ العظمیٰ خمینی،سیر وسلوک (کراچی،جامعہ تعلیماتِ اسلامی،1995ء)،23۔

6. Dr. Abu Alais, Siddiqui, *Iqbal aur Maslik Tusuf* (Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 1977), 354.

ڈاکٹر ابواللیث، صدیقی،اقبال اور مسلک تصوف (لاہور،اقبال اکیڈمی پاکستان،1977ء)،354۔

7. Dr. Muhammad Iqbal, *Zarb-e-Kaleem* (Lahore, Ghulam Ali Publishers, 1986), 52.

ڈاکٹر محمد اقبال،ضربِ کلیم (لاہور،غلام علی پبلشرز،1986ء)،52۔

8. Dr. Muhammad Iqbal, *Pas Cha Baid Karday Aqwaam Shirk* (Lahore, Ghulam Ali Publishers, 1972), 23-25.

ڈاکٹر محمد اقبال،پس چہ باید کردا ے اقوامِ شرق (لاہور،غلام علی پبلشرز،1972ء)،23-25۔

9. Ibid, 26-27.

ایضاً،26-27۔

10. Ibid, 26.

ایضاً، 26۔

11. Dr. Muhammad Iqbal, *Bal-e-Jibril* (Lahore, Ghulam Ali Publishers, 1985), 42.

ڈاکٹر محمد اقبال، بالِ جبریل (لاہور، غلام علی پبلشرز، 1985ء)،42۔

12. Ibid, 160.

ایضاً،160۔

13. Iqbal, *Zarb-e-Kaleem*, 50.

اقبال،ضربِ کلیم،50۔

14. Ibid, 175.

ایضاً، 175۔

15. Siddiqui, *Iqbal aur Maslik Tusuf*, 257.

صدیقی،اقبال اور مسلکِ تصوف،257۔

16. Dr. Abdul Shakoor Ahsan, *Iqbal ki Farsi Shairi ka Tanqidi Jaiza* (Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 1977), 284.

ڈاکٹر عبدالشکور احسن، *اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ* (لاہور، اقبال اکیڈمی پاکستان، 1977ء)، 284۔

17. Siddiqui, *Iqbal aur Maslik Tusuf*, 207.

صدیقی، *اقبالؒ اور مسلکِ تصوف*، 207۔

18. Allama Muhammad Iqbal, *Kalyat-e-Iqbal Farsi* (Lahore, Asad Publications, dn.), 12, 894.

علامہ محمد اقبالؒ، *کلیاتِ اقبال فارسی* (لاہور، اسد پبلی کیشنز، سن ندارد)، 12،894۔

19. Iqbal, *Pas Cha Baid Karday Aqwaam Shirk*, 27.

اقبالؒ، *پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق*، 27۔

20. Dr. Abu Saeed Nuruddin, *Islami Tusuf aur Iqbal* (Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 1977), 348.

ڈاکٹر ابو سعید نورالدین، *اسلامی تصوف اور اقبالؒ* (لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، 1977ء)، 348۔

21. Iqbal, *Zarb-e-Kaleem*, 69.

اقبالؒ، *ضربِ کلیم*، 69۔

22. Siddiqui, *Iqbal aur Maslik Tusuf*, 537.

صدیقی، *اقبالؒ اور مسلکِ تصوف*، 537۔

23. Sheikh Attaullah, (Martaba), *Iqbal Nama*, Part II (Lahore, Din Muhammad Press, 1951), 45-46.

شیخ عطاءاللہ، (مرتبہ)، *اقبالؒ نامہ*، حصہ دوم (لاہور، دین محمد پریس، 1951ء)، 45-46۔

24. Professor Nisar Ahmad Farooqi, *Naqd-e-Malfuzat* (Lahore, Idarah Saqafat Islamiya, 1989), 252.

پروفیسر نثار احمد فاروقی، *نقدِ ملفوظات* (لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 1989ء)، 252۔

25. Siddiqui, *Iqbal aur Maslik Tusuf*, 355.

صدیقی، *اقبالؒ اور مسلکِ تصوف*، 355۔

26. Dr. Sohail Bukhari, *Iqbal aik Sufi Shair* (Karachi, Azimi Printers, 1988), 231.

ڈاکٹر سہیل بخاری، *اقبال ایک صوفی شاعر* (کراچی، عظیمی پرنٹرز، 1988ء)، 231۔

27. Sheikh Attaullah, *Iqbal Nama*, 45.

شیخ عطاءاللہ، *اقبال نامہ*، 45۔

28. Siddiqui, *Iqbal aur Maslik Tusuf*, 423.

صدیقی، *اقبالؒ اور مسلکِ تصوف*، 423۔

29. Professor Muhammad Farman, *Iqbal aur Tusuf* (Lahore, Bizm-e-Iqbal, 1984), 27.

پروفیسر محمد فرمان، *اقبال اور تصوّف* (لاہور، بزمِ اقبال، 1984ء)، 27۔

30. Iqbal, *Bal-e-Jibril*, 31.

اقبالؒ، *بالِ جبریل*، 31۔

31. Moini, *Maqalaat Iqbal*, 205.

معینی، *مقالاتِ اقبال*، 205۔

32. Hafiz Shirazi, Dewan-e-Hafiz (Lahore, Fareed Book Stall, dn.), 33.

حافظ شیرازی، *دیوانِ حافظ* (لاہور، فرید بک سٹال، سن ندارد)، 33۔

33. Moini, *Maqalaat Iqbal*, 210.

معینی، *مقالاتِ اقبال*، 210۔

34. Dr. Abdul Shakoor Ahsan, *Iqbal ki Farsi Shairi ka Tanqidi Jaiza*, 282.

ڈاکٹر عبدالشکور احسن، *اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ*، 282۔

35. Siddiqui, *Iqbal aur Maslik Tusuf*, 42.

صدیقی، *اقبالؒ اور مسلکِ تصوف*، 42۔

36. Iqbal, *Bal-e-Jibril*, 88.

اقبالؒ، *بالِ جبریل*، 88۔

37. Iqbal, *Zarb-e-Kaleem*, 60.

اقبالؒ، *ضربِ کلیم*، 60۔

38. Dr. Abdul Shakoor Ahsan, *Iqbal ki Farsi Shairi ka Tanqidi Jaiza*, 288.

ڈاکٹر عبدالشکور احسن، *اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ*، 288۔

39. Iqbal, *Pas Cha Baid Karday Aqwaam Shirk*, 33.

اقبالؒ، *پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق*، 33۔

40. Iqbal, *Asrar-Rumoz*, 46.

اقبال، *اسرار و رموز*، 46۔

41. Iqbal, *Bal-e-Jibril*, 89.

اقبالؒ، *بالِ جبریل*، 89۔

زیدیہ؛ایک مختصر تعارف

Zaydia; A brief Introduction

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Amjad Khan (Amjad Abbas Mufti);
Research Scholar MIU, Qum.
E-mail: amjadabbask@gmail.com
Abidah Bibi; Research Fellow at MIU, Qum.
E-mail: abidajaffri512@gmail.com

Abstract:

Zaydia is an ancient and well-known Shia sect whose followers still exist in various places, including Yemen. It is theologically closer to *Mu'tazilah*. The Zaydias, like the rest of the Shia sects, recognize Imam Ali (a.s.) as their leader after the Holy Prophet (s.a.w.), then consider the Imamate dependent on Banu Fatimah (a.s.). This religion is also counted among the groups that have not been properly introduced. Like the Zaydia Jamoor Shia Masalik, Imam Ali (a.s.) is considered to be the best after the Holy Prophet (s.a.w.).

In the same way, including himself, Imam Hasan and Imam Hussain (AS) also know the Imamate, later on, they are convinced of the Imamate among the descendants of these two Imams. Zaydia, Imam Ali (a.s.) and Hussaini are considered innocent. This school of thought is called Zaydiya after Hazrat Zayd (122 AH), son of Imam Ali Zainul Abideen (AS), brother of Imam Muhammad Baqir (AS).

Key Words:Zaydia, Schools & Sects, Muslim Sects, Shia, Zayd.

خلاصہ

زیدیہ ایک قدیم اور معروف شیعہ مسلک ہے جس کے پیروکار ابھی بھی یمن سمیت مختلف جگہوں پر موجود ہیں۔ یہ اعتقادی لحاظ سے معتزلہ کے زیادہ قریب ہے۔ زیدیہ، باقی شیعہ فرقوں کی طرح، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امام علیؑ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں، پھر بنو فاطمہؑ میں امامت کو منحصر جانتے ہیں۔ اس مسلک کا شمار بھی اُن گروہوں میں ہوتا ہے جن کا مناسب انداز میں تعارف نہیں کروایا گیا۔ زیدیہ جمہور شیعہ مسالک کی طرح، امام علیؑ کو بعد از نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے افضل جانتے ہیں، اسی طرح آپؑ سمیت، امام حسنؑ و امام حسینؑ کی امامت کو بھی منصوص جانتے ہیں، بعد ازاں اِن دونوں ائمہ کی اولاد میں، امامت کے قائل ہیں۔ زیدیہ، امام علیؑ اور حسنینؑ کو معصوم جانتے ہیں۔ یہ مکتبِ فکر امام علی زین العابدینؑ کے بیٹے، امام محمد باقرؑ کے بھائی حضرت زیدؑ (122ھ) کی طرف نسبت سے زیدیہ کہلاتا ہے۔

کلیدی کلمات: زیدیہ، ملل و نحل، مسلم فرقے، شیعہ، زید بن علی ابن الحسین۔

زیدی، فقہی مسلک یا تحریک

اس مسلک کو "زیدی/زیدیہ" تو حضرت زیدؑ کی نسبت سے کہا جاتا ہے؛ تاہم معاصر زیدی علما کا کہنا ہے کہ زیدی مسلک کا حضرت زیدؑ سے اُس طرح تعلق نہیں ہے جیسے باقی مسالک کا اپنے بانیوں سے ہے، بلکہ حضرت زیدؑ کی طرف اُن کی نسبت اُن سے وابستگی اور اُن کی ظالم حکمرانوں کے خلاف تحریک کی حمایت اور اُن کے بنیادی افکار کی تائید کی ہے۔ معاصر زیدی سکالر، سید علی بن عبد الکریم الفضیل، شرف الدین، اس لفظ (زیدی) کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

> يطلق هذا الاسم فی عرف الزيدية على ائمة اهل البيت النبوى الشريف و من تابعهم فی العدل والتوحيد ، والقول بامامة زيد بن على بن الحسين بن على بن ابى طالب رضوان الله عليهم ، و وجوب الخروج – الثورة- على الظلمة، و استحقاق الامامة بالفضل والطلب لا بالوراثة، مع القول بتفضيل الامام على كرم الله وجهه، و اولويته بالامامة، و قصرها من بعده فی البطنين الحسنى و الحسينى۔[1]

کہ زیدیوں کے ہاں اس لفظ کا اطلاق ائمہ اہلِ بیت اور توحید، عدل، امامتِ حضرت زید بن علی بن حُسین رضوان اللہ علیہم، ظالموں کے خلاف قیام کے قیام، امامت کے فضیلت اور دعوت سے مربوط ہونے، نہ

کہ وراثت سے، امام علی کرم اللہ وجہ کو سب سے افضل ماننے اور سب سے زیادہ مستحق امامت ہونے اور آپؑ کے بعد آپ کے بیٹوں امام حسنؑ اور امام حُسینؑ (اور اُن کی اولاد میں) اس منصب کے منحصر ہونے (جیسے نظریات) میں، اُن کے ہم خیالوں پر بولا جاتا ہے۔

یہی سکالر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و نسبة الزيدى الى الزيدية تعنى النسبة الى الفكر الزيدى و هى نسبة انتماء و اعتزا۔[2]

کہ زیدیہ کو، زیدی فکر سے مربوط ہونے کی وجہ سے "زیدی" کہا جاتا ہے۔ یہ اِس فکر سے وابستہ ہونے کی نسبت ہے۔

محترم سکالر اپنی بات کو جاری رکھتے ہیں، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "زیدی" حضرت زیدؑ کی طرف اُسی طرح سے مذہبی نسبت ہے (اور یہ ویسی ہی مذہبی وابستگی رکھتے ہیں) جیسے شافعی یا حنفی کی نسبت امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کی طرف ہے۔ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ زیدی، امام زیدؑ کی فقہ میں تقلید کرتے ہیں، بعض اوقات وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ زیدی، اصول (عقائد و نظریات) میں امام زیدؑ کے پیروکار ہیں اور وہ آپؑ کے قول سے ہٹ کر نظریہ نہیں اپناتے۔ یہ بات نادرست ہے۔ زیدیہ کی حضرت زیدؑ کی طرف نسبت، مذہبی نسبت نہیں، یہ اُن سے وابستگی اور اُن کی حمایت کی نسبت ہے۔[3]

یمن کی زیدی مذہبی، سیاسی جماعت انصار اللہ کے رہنما، سید عبد المالک حوثی کے والد سید بدر الدین حوثیؒ، زیدیوں کے بڑے علما میں شمار کیے جاتے ہیں، اُنہیں "فقیہ القرآن" کہا جاتا ہے۔ آپ کی بعض کتب، یمن میں زیدی مدارس میں پڑھائی بھی جاتی ہیں۔ آپ کی متعدد کتب اور رسائل چھپ چکے اور مختلف ویب سائٹس پر دستیاب ہیں۔ آپ ایک مقام پر "زیدیہ کون ہیں؟" کا جواب دیتے ہیں، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

عُرف میں زیدی کا لفظ اُن شیعیانِ اہلِ بیتؑ پر بولا جاتا ہے جو امام زید بن علی علیہما السلام کے طریقے پر ہیں، وہی (شیعہ) امام زیدؑ کے قیام میں اُن کے ساتھی تھے۔ ہمارے علم میں نہیں ہے کہ عدلِ خدا اور توحید کے مخالف، کسی ناصبی نے حضرت زیدؑ کی بیعت کی ہو۔ تاریخ میں مذکور ہے کہ اہلِ کوفہ نے یہ تحریک برپا کی (اور شیعوں نے ہی آپؑ کی بیعت کی)۔[4]

کچھ عرصہ پہلے وفات پانے والے معروف زیدی امام، فقیہ مجد الدین بن محمد المؤیدی، اپنے رسالے "الجواب المھمۃ من مسائل الائمۃ" جو آپ کی کتاب مجمع الفوائد کے ذیل میں چھپا ہے، میں لفظِ "زیدی" کو یوں بیان کرتے ہیں:

و انما سميت الزيدية زيدية؛ لموافقتهم لامام الائمة زيد بن على عليهما السلام فى التوحيد، والعدل، والامامة، والامر بالمعروف، والنهى عن المنكر، والخروج على ائمة الجور والظلم۔[5]

کہ توحید، عدل، امامت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ظالم حکمرانوں کے خلاف قیام میں امام زید بن علی علیہما السلام کی مواقفت (اور اُن کے ہم خیال ہونے کی وجہ) سے، زیدیوں کو "زیدی" کہا گیا ہے۔ مذکورہ بالا وضاحت سے ظاہر ہوتا ہے کہ لفظِ زیدی، زیدیہ مسلک اور قیامِ حضرت زیدؑ کے حامیوں پر بولا گیا ہے۔

بنیادی زیدی اصول، عقائد و نظریات

زیدیہ کی بنیادی تعلیمات، شیعی اور اعتزالی افکار و نظریات کا امتزاج ہیں۔ فقہ میں زیدی، کسی معین فقہی مکتب کے خود کو پیروکار نہیں جانتے۔ زیدی ائمہ میں عقیدے اور فقہ میں خاصے اختلافات رہے ہیں، اسی وجہ سے طولِ تاریخ میں مختلف زیدی فرقے اور زیدیت میں کئی فکری رجحانات سامنے آئے۔ تقریباً پانچ بنیادی عقائد جو زیدیوں میں مشترک رہے ہیں، اُنہیں زیدی عالم حمود بن محمد بن احمد الدولۃ (م: 1385ھ) لکھتے ہیں:

زیدی اصولِ دین میں سے ان پانچ میں امام زیدؑ کے ہم خیال (موافق) ہیں، جو یہ ہیں:

1: توحید اور اُس کے بنیادی مسائل

2: عدلِ خدا اور اُس کے بنیادی مسائل

3 اور 4: وعدہ اور وعیدِ خداوندی اور اِن کے مسائل

5: امامت، نبی کریم ﷺ کے بعد، امیر المومنین، سید الوصیین، امام علیؑ کی امامتِ بلا فصل کا اثبات

جو اِن مسائل میں امام زیدؑ کا ہم خیال ہے وہ زیدی ہے۔ جو ان پانچوں یا اِن میں سے کسی ایک کو تسلیم نہیں کرتا، وہ "زیدی" نہیں ہے، یہ ہمارے علما کے درمیان متفق علیہ بات ہے۔ اِن مسائل میں امام زیدؑ کے ہم فکر کو زیدی کہا جائے گا، خواہ وہ فقہ میں آپؑ کا مخالف ہی ہو۔[6]

معاصر زیدی علما نے انہیں پانچ کو "اصولِ دین" میں شمار کیا ہے۔ اِن میں سے چار معتزلہ کے ہاں موجود ہیں جیسے توحید، عدل، وعدہ اور وعید جبکہ توحید، عدل کے ساتھ ساتھ امامت کو اثنا عشری، اہلِ تشیع اپنے اصول دین میں شمار کرتے ہیں، یوں زیدیہ اپنے بنیادی اصولوں میں معتزلہ اور اثنا عشری شیعوں کے ساتھ جزوی طور پر ہم آہنگ ہیں۔ بعض معاصر غیر زیدی محققین کا خیال ہے کہ معتزلہ کی تعلیمات کو زیدیہ نے ہی اپنی کتب میں محفوظ بنایا۔ زیدیہ اور معتزلہ کی فکری ہم آہنگی کے بارے میں مختلف نظریات موجود ہیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت زیدؑ نے معتزلہ فرقہ کے بانی واصل بن عطا کی شاگردی اختیار کی، معاصر زیدی علما اس بات کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معتزلہ نے ائمہ اہلِ بیتؑ سے استفادہ کیا ہے، نہ کی بر عکس۔ آٹھویں صدی ہجری کے زیدی عالم علی بن محمد النجرانی کی کتاب "الجامع لقواعد دین الاسلام" کی تحقیق و تخریج پر جامعہ صنعا، یمن کے شعبہ الدراسات الاسلامیہ

2012ء میں محقق عبدالکریم محمد عبداللہ حسن الوظاف کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی، اِن کا یہ تھیسز، انٹرنیٹ پر پی ڈی ایف میں دستیاب ہے۔ محقق عبدالکریم محمد عبداللہ حسن الوظاف اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ یہ کہنا کہ حضرت زید نے معتزلہ کے امام، واصل بن عطا کے ہاں سے پڑھا اور آپؑ کے اصولِ دین، معتزلہ سے لیے گئے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ علما اہلِ بیتؑ کے بارے میں روایات موجود ہیں کہ وہ عقائد کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے اور واصل بن عطا معتزلی کے نظریات اور علما اہلِ بیت کی روایات میں قدرے ہم آہنگی موجود ہے؛ بلکہ روایات موجود ہیں کہ مذہبِ اعتزال اپنی فکر اور عقیدے، جنہیں واصل بن عطا اور عمرو بن عبید نے بیان کیا، کے لحاظ سے حقیقت میں امام علیؑ کی طرف لوٹتا ہے؛ کیونکہ واصل نے محمد بن علی بن ابو طالب، جنہیں (محمد) ابن حنفیہؒ کہا جاتا ہے، سے علم حاصل کیا اور محمد ابن حنفیہؒ نے اپنے باپ امیر المومنین علی ابن ابو طالبؑ سے علم حاصل کیا۔[7]

آٹھویں صدی ہجری کے زیدی امام یحییٰ بن حمزہ علوی لفظِ زیدی کی وضاحت کرتے ہوئے، زیدیہ کے بنیادی معتقدات بیان کرتے ہیں کہ لقبِ زیدی کی نسبت حضرت زید شہیدؒ کی طرف ہے۔ جو بندہ دین میں، توحید میں (حضرت زیدؒ کے عقیدے پر ہو) اور حکمت و عدلِ الٰہی کا قائل ہو، وعدہ و وعید کا اعتراف کرتا ہو، امامت کو سیدہ فاطمہؑ کے خاندان میں منحصر جانتا ہو، امام علی، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کی امامت کو منصوص جانے اور اِن کے بعد امامت کو دعوت کے ذریعے قرار دے، (یہ شخص اور) ان اصولوں کو تسلیم کرنے والا "زیدی" ہے۔ یہ زیدیہ کے بنیادی معتقدات ہیں، ان کا قائل زیدی ہے، اِن کے علاوہ دیگر اجتہادی مسائل ہیں جن میں اختلاف سے اس لقب (زیدی) میں فرق نہیں پڑتا۔ زیدیہ بہت سے اجتہادی مسائل میں حضرت زیدؒ کی مخالفت کرتے ہیں، اِس کے باوجود وہ "زیدی" ہی ہیں۔[8]

امام یحییٰ بن حمزہ علوی (م: 749ھ) نے زیدیہ کے دیگر فرقوں سے امتیازی عقائد و نظریات بھی گنوائے ہیں، جن کے سبب زیدی دیگر فرقوں سے جدا ہوتے ہیں۔ امام یحییٰ ابتدا میں اثباتِ صانع (یعنی اس کائنات کے خالق کے وجود کو ثابت کرنا) کی بات کرتے ہیں کہ اس عقیدے سے زیدی، دہریوں (ملحدوں) اور بعض دیگر گروہوں سے جدا ہوتے ہیں، پھر صانع (خالق) کو بااختیار ماننے سے وہ بعض فلسفی گروہوں، اہلِ نجوم، دو خداؤں اور بتوں کے پجاریوں سے جدا ہوتے ہیں۔ صفاتِ خدا کو عینِ ذات قرار دے کر زیدیہ، جبر کے قائل اشعریوں، نجاریوں اور دیگر مجبرہ سے علیحدہ ہو جاتے ہیں جو صفات کو قدیم مانتے ہیں۔ عدل و حکمتِ خدا کے قائل ہونے سے زیدیہ، گمراہ اشعریوں سے الگ ہو جاتے ہیں جو بُرے کاموں کی نسبت بھی اللہ کی طرف دیتے ہیں، اسی طرح قرآن مجید اور ارادہ خداوندی کے حادث ہونے کے نظریات کے اعتراف سے بھی وہ اِن فرقوں سے جدا ہو جاتے ہیں۔ وعید

اور (کبیرہ گناہوں کے مرتکب مسلمان کے) ہمیشہ جہنم میں رہنے کے نظریے سے وہ مرجئہ سے الگ ہوتے ہیں اور جب وہ تین ائمہ (امام علی، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام) کی امامت پر نص ہونے اور اِن کے بعد دعوت اور قیام کے ذریعے سے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی اولاد میں امامت کی بات کرتے ہیں تو معتزلہ سے جدا ہو جاتے ہیں۔ جو ان نظریات کا حامل ہے وہ زیدی ہے اور جو اِن بنیادی نظریات کا قائل نہیں وہ زیدی نہیں ہے۔[9]

فقہ میں زیدی علما کی تصریحات کے مطابق، وہ کسی خاص فقہی مذہب کے پیروکار نہیں ہیں، اِس لیے اہلِ بیت علیہم السلام کے ہاں متفق علیہ فقہی مسائل (جیسے نماز ہاتھ کھول کر پڑھنا، اذان میں حی علی خیر العمل کہنا) کے علاوہ دیگر مسائل میں زیدیہ نے مختلف فقہی مکاتب سے استفادہ کیا ہے۔ اِن کے بعض فقہی مسائل احناف تو بعض اباضیہ سے ملتے ہیں۔ بعض معاصر زیدی محققین نے اپنے بنیادی فقہی مصادر گنوائے ہیں، یہاں عبدالکریم محمد عبداللہ حسن الوظاف نے اپنے پی ایچ ڈی کے محولہ بالا تھیسز کے مقدمے میں زیدی فقہی مصادر کو ترتیب وار یوں درج کیا ہے:

قرآن، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب۔[10]

معاصر یمنی زیدیت اور ماضی کے زیدی فرقے

زیدیہ پر تاحال لکھی جانے والی کتب میں متعدد فرقے گنوائے گئے ہیں۔ زیدیوں میں وقت کے ساتھ ساتھ متعدد فکری اختلافات سامنے آئے۔ جامعہ اسکندریہ مصر کے استاذ ڈاکٹر احمد محمود صبحی نے مسلمان فرقوں کے اصولِ دین میں آراء و نظریات کے سلسلے میں متعدد جلدوں میں "فی علم الکلام" کے نام سے کتاب ترتیب دی ہے، اِس کی تیسری جلد زیدیہ سے متعلق ہے، استاذ نے اس کتاب کی تیسری فصل زیدی فرقوں کے عنوان سے قائم کی ہے، جس کا خلاصہ یوں ہے:

> زیدی شیعیت، اہل سنت اور شیعہ امامیہ کے درمیان میں ہے اور جو درمیان میں ہو وہ کسی ایک طرف جھکاؤ اختیار کر ہی جاتا ہے، زیدیت میں اسی حوالے سے مختلف فرقے سامنے آئے جن میں سے بعض کا جھکاؤ اہل سنت کی جانب تھا تو بعض کا شیعہ امامیہ کی طرف۔ ان سب فرقوں میں امام علیؑ کی فضیلت و امامت، امام حسنؑ و امام حسینؑ کی امامت اور ظالم حکمران کے خلاف قیام جیسے نظریات مشترک تھے جن کی وجہ سے یہ زیدی ہی شمار ہوئے۔ زیدیہ کے بنیادی فرقوں میں سے صالحیہ یا بتریہ جو حسن بن صالح بن حی الہمذانی (م: 168ھ) اور کثیر النواء (م: 169ھ) کے پیروکاروں پر مشتمل تھا اور سلیمانیہ جسے جریریہ بھی کہا گیا ہے، یہ سلیمان بن جریر الرقی کے پیروکاروں پر مشتمل تھا؛ اِن دونوں فرقوں کا اہلِ سنت کی طرف جھکاؤ تھا۔ اسی طرح تیسرا بڑا فرقہ جارودیہ، یہ ابو جارود، زیاد بن ابو زیاد المنذر الہمدانی (م:

160/150ھ) کے پیروکاروں پر مشتمل تھا،اس کا رجحان شیعہ امامیہ کی طرف تھا، یہ مزید تین گروہوں میں بٹ گیا۔ڈاکٹر صبحی اِن فرقوں کی بابت نتیجہ یوں نکالتے ہیں:

غير أن هذه الفرق الثلاث لم تصمد خلال عصور التاريخ الزيدي، إذ لا نكاد نجد من بين علماء الزيدية اللاحقين منتسبا إلى فرقة من هذه الفرق، ويبدو أن لا بد من إمام حتى يستجيب لدعوته المتشيعون ولم يكن أحد مؤسسي هذه الفرق من بين الأئمة أي ما كانت درجتهم في العلم والفضل والجهاد۔

تاہم، یہ تینوں فرقے زیدی تاریخ کے ادوار میں زندہ نہیں رہے، جیسا کہ ہم بعد کے زیدی علماء کو ان میں سے کسی ایک فرقے سے وابستہ نہیں پاتے اور ایسا لگتا ہے کہ زیدی شیعوں کے ہاں زندہ امام کا ہونا ضروری ہے جس کی دعوت پر وہ لبیک کہیں، جبکہ ان فرقوں کے بانیوں میں سے کوئی بھی ائمہ میں سے نہیں تھا، یعنی علم، فضل اور جہاد میں اُن کا ایسا مقام نہ تھا۔ [11]

زیدی فقیہ، سید بدر الدین الحوثی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ یمنی (زیدی) قرآن، سنت اور اہلِ بیت نبوی سے وابستہ ہیں، اس پر زیدیوں کی کتابیں گواہ ہیں کہ وہ اِن (ماضی کے زیدی فرقوں) کے سرخیلوں کی اس طرح اتباع نہیں کرتے (نیز زیدیہ کی اِن فرقوں کے سرخیلوں کے ساتھ ایسی وابستگی نہیں) جیسے اشاعرہ، اشعری کے ساتھ اور وہابی، محمد بن عبد الوہاب کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں۔ہاں بعض زیدی، ابو جارود کے (زیدی فرقے) جارودیہ کے ہم خیال ہیں لیکن وہ اُس کے پیروکار نہیں ہیں، کیونکہ وہ اُسے اپنا امام نہیں مانتے۔ائمہ تو اہل بیتؑ ہیں۔ [12]

ماضی میں مختلف علاقوں میں زیدی حکومتیں قائم ہوئیں لیکن وقت کے ساتھ ختم ہو گئیں؛ تاہم یمن میں ابھی تک زیدی مسلک کے پیروکار موجود ہیں اور بھرپور سیاسی کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کی مذہبی، سیاسی جماعت "انصار اللہ" ہے، جس کے موجودہ سربراہ سید عبد المالک الحوثی ہیں، آپ کے والد، فقیہ قرآن سید بدر الدین حوثیؒ، زیدیوں کے بڑے علما میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یمن میں زیدی سلطنت کی مختصر سی تاریخ کچھ یوں ہے کہ عباسی سلطنت کے زیرِ اثر یہ علاقہ مختلف قبائل کی کوششوں سے یہ آزاد ہوگیا تو بعض قبائل کے سربراہوں نے 280 ہجری میں حجاز میں موجود زیدی پیشوا، یحییٰ بن حسین بن قاسم بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام (م: 298ھ) کو دعوت دی، آپؑ کو امام ہادی کہا جاتا ہے۔آپؑ یمن میں تشریف لائے اور زیدی حکومت کی بنیاد رکھی۔آپؑ کے جد امام قاسم الرسی بن ابراہیم طباطبا بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہم (م: 246ھ) بھی زیدی ائمہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یمن میں زیدی حکومت 280ھ سے 1382ھ (1962ء) تک رہی ہے۔ یمن کے زیدی اماموں کے حالات پر محمد بن محمد بن یحییٰ زیارہ نے ایک کتاب لکھی ہے، جو ڈاکٹر محمد زینہم محمد عزب کے مقدمے کے ساتھ مصر سے

شائع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر محمد زینھم مقدمے کے شروع میں بتاتے ہیں کہ زیدی مسلک میں اساسی حیثیت زید بن علی (علیہما السلام) اور ان کے پوتے قاسم الرسی بن ابراہیم طباطبائی کی ہے، جو سندھ کی طرف نکل گئے 245ھ (859ء) میں وہیں وفات پا گئے۔ اِن کا بیٹا حسن، یمن چلا گیا، یمن کے شمالی علاقے "صعدہ" میں اپنی طرف دعوت دینے والے زیدی اماموں کا تعلق، آپ کی ہی نسل سے ہے، یوں اب تک یمن میں زیدی حکومت موجود ہے۔ صعدہ میں سب سے پہلے جس نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی وہ یحییٰ بن حسین بن قاسم الرسی ہیں، جنھیں "ہادی" کہا گیا ہے۔ آپ کی 288ھ (900ء) میں بیعت کی گئی، یوں تیسری صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں یمن میں زیدی دعوت کا سلسلہ شروع ہوا۔[13]

یمن میں زیدی مسلک، اصول کے ساتھ فروع میں بیشتر امام ہادی یحییٰ بن حُسین علیہم السلام کا پیرو ہے، اِس مناسبت سے انہیں "ہادویہ" بھی کہا جاتا ہے۔ زیدی فقیہ، سید بدر الدین الحوثی یمنی زیدیت کے مؤسس کی بابت لکھتے ہیں کہ امام ہادی الی الحق یحییٰ بن حسین بن قاسم بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام نے یمن میں زیدیت کی بنیاد رکھی، وہاں علم پھیلا اور علما کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ فکری آزادی کے سبب اور سچی نیت سے حق کی جستجو میں (یمنی زیدیوں میں) مختلف آراء اور فرقے سامنے آئے، یہ اختلاف اس لیے نہیں پیدا ہوا کہ لوگوں نے ابی جارود، سلیمان بن جریر یا حسن بن صالح کی اقتدا کی ہو۔[14]

ماضی کی زیدیت کی طرح، معاصر یمنی زیدیت بھی فقہ میں فقہ حنفی و اباضی، عقائد میں عدل، منزلۃ بین المنزلتین، گناہانِ کبیرہ کے مرتکب کے ہمیشہ جہنم میں رہنے جیسے مسائل میں معتزلہ اور توحید و امامت اہلِ بیت جیسے مسائل میں اثناعشری تشیع کی طرف میلان رکھتی ہے۔ زیدی اور اثناعشری تشیع میں عقائد میں خاصے مشترکات موجود ہیں، جو معتزلہ کے ساتھ اِن دونوں کے مشترکات سے زیادہ ہیں۔ عملی طور پر فقہ میں اپنی الگ شناخت کے باوجود، زیدیہ کسی خاص فقہی مکتب کے خود کو پابند نہیں جانتے، اسی سبب سے زیدی ائمہ کے فقہ میں باہمی اختلافات کتب میں مذکور ہیں۔ زیدیوں کے ہاں "غیر زیدی" ائمہ اہلِ بیتؑ کا بھی احترام پایا جاتا ہے، جیسے امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ ان کے ہاں محترم ہیں۔ امام علی رضاؑ کو بعض زیدی علما نے بھی امیر المؤمنین قرار دیا ہے۔

*****

References

1. Ali Bin Abdul Kareem Al-Fazeel, Sharaf.ul-din, *Al-Zaidiyyah Nazarya wa Tetbeek* (Oman, Jamiata Amaal Al-Mathabah al-Taawuniyyahat, 1985), 11.

علی بن عبدالکریم الفضیل، شرف الدین، *الزیدیۃ نظریۃ وتطبیق* (عمان، جمعیۃ عمال المطابع التعاونیۃ، 1985ء)، 11۔

2 .Ibid.

ایضاً۔

3. Ibid.

ایضاً۔

4. Syed Badr al-Din al-Hauthi, *Ma'jam al-Bakhu al-Sadida wa Juba al-Mufida* (Yemen, Majlis al-Zaidi al-Islami, 2016), 299.

سید بدر الدین الحوثی، *مجموع البحوث السدیدۃ والاجوبۃ المفیدۃ* (یمن، المجلس الزیدی الاسلامی، 2016)، 299۔

5. Imam Majid al-Din bin Muhammad al-Mu'ayidi, *Majma al-Fawaid al-Mushtamil Ali Baghiy al-Ra'id wa Zala al-Nashid*, Vol. 2 (Saada, Maktaba Ahl al-Bayt, 2016), 312.

امام مجد الدین بن محمد المؤیدی، *مجمع الفوائد المشتمل علی بغیۃ الرائد وضالۃ الناشد*، ط2 (صعدہ، مکتبۃ اہل البیت، 2016ء)، 312۔

6. Allama Hamud bin Muhammad bin Ahmad al-Dawlah, *Irshad al-Talb Ila Tehqeeq al-Mazhab (Al-Zaydi)*, Tehqeeq: Murtaza bin Zaid Mahtouri Hosni, Vol. 1 (Sanaa, Maktabat al-Badr, 2017), 36.

علامہ حمود بن محمد بن احمد الدولۃ، *ارشاد الطلب الی تحقیق المذہب (الزیدی)*، تحقیق: مرتضی بن زید محطوری حسنی، ط1 (صنعاء، مکتبۃ البدر، 2017)، 36۔

7. Abdul Kareem Muhammad Abdullah Hassan Al-Wazaf, *Al-Jaami Laqawad Deen al-Islam wa Rasta wa Tehqeeq* (Ph.D. Thesis, Jamia Sana’a, 2012), 97.

عبدالکریم محمد عبداللہ حسن الوظاف، *الجامع لقواعد دین الاسلام دراسۃ وتحقیق* (پی ایچ ڈی تھیسز، جامعہ صنعاء، 2012ء)، 97۔

8. Imam Yahya bin Hamza Alvi, *Uqad al-Aali*, Vol. 1 (Cairo, Dar al-Afaq al-Arabiya, 2002), 165.

امام یحییٰ بن حمزہ علوی، *عقد اللآلی*، ط1 (قاہرہ، دار الآفاق العربیۃ، 2002ء)، 165۔

9. Ibid, 166-167.

ایضاً، 166۔167۔

10. Hassan Al-Wazaf, *Al-Jaami Laqawad Deen al-Islam wa Rasta wa Tehqeeq*, 137.

حسن الوظاف،الجامع لقواعد دین الاسلام دراسۃ و تحقیق، 137۔

11. Dr. Ahmad Mehmood Sobhi, *Fe'ilm Al-Kalam "3" Al-Zaidiyyah*, Vol. 3 (Beirut, Dar al-Nahzat al-Arabiya, 1991), 80 to 86.

ڈاکٹر احمد محمود صبحی،فی علم الکلام "3" الزیدیۃ، ج3 (بیروت، دار النھضۃ العربیۃ، 1991ء)، 80تا86۔

12. Allama Syed Badr al-Din al-Hauthi, *Tahrir al-Afkar*, Vol. 3 (nc., Majlis al-Zaidi al-Islami, dn.), 496.

علامہ سید بدر الدین الحوثی، تحریر الافکار، ط3 (شہر ندارد، المجلس الزیدی الاسلامی، سن ندارد) ، 496۔

13. Muhammad bin Muhammad bin Yahya Ziarat, Tarikh Al-Aima Al-Zaidiyyah fi Al-Iman Hata Al-asir Al-Hazir, Taqdam wa Arz: Dr. Muhammad Zainham Muhammad Azab (Cairo, Maktabah Al-Thaqafat al-Diniya, nd.), 5.

محمد بن محمد بن یحیٰ زیارۃ، تاریخ الائمۃ الزیدیۃ فی الیمن حتی العصر الحاضر، تقدیم و عرض: ڈاکٹر محمد زینھم محمد عزب (قاہرہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، سن ندارد) ، 5۔

14. Syed Badr al-Din al-Hauthi, *Tahrir al-Afkar*, 496.

سید بدر الدین الحوثی، تحریر الافکار، 496۔

محافظتِ دین میں خواتین کا کردار اور ذمہ داریاں
واقعہ کربلا کے تناظر میں کا ایک مختصر جائزہ

Women's Role and Responsibilities in Protecting Religion:
A Brief Review of In the Context of the Karbala Incident

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Syeda Shamila Rabab Rizvi
Islamic Scholar, Shah Abdul Latif University, Sindh.
E-mail: shim.haider110@gmail.com

Abstract:
Nowadays, it is said that today's women are not behind men in any field, their role in any field is not less than that of men, but if seen realistically, with the advent of Islam, women have the rights were found, which created a sense of equality and pride in women and made them invincible and because of this, these women have played an important role in all the movements in this world while fulfilling their responsibilities. If we look at the events of the great prophets, it will be known that the role of women has been very effective because they were the most responsible women of their time.
The history of Hazrat Ibrahim (AS) and Hazrat Ismail (AS) is incomplete without the role of Mr. Syeda Hajra. The name of Hazrat Isa (as) does not come without Maryam. The sacrifices of Hazrat Khadija, peace be upon her, will be seen along with our beloved Prophet Muhammad (peace be upon him). Apart from this, Syeda Fatimah, peace be upon him, is also seen in every difficulty, everywhere along with her sage and her husband Hazrat Ali Karamullah. Rather, they have always fulfilled their responsibilities beyond expectations. The revolution is born from

the lap of women, and the society is prosperous and safe with their training. If women understand their responsibilities, they can make the society heaven by their positive role. Women are human builders and their main duty is human-building and society-building.

A careful study of Islamic history shows that there have been many faithful and dedicated women who have played their role in political and social affairs. Apart from giving proper training to the children, he himself has reformed religion and society by staying by the side of men. Women have played an important role in many movements of this world. The roles and responsibilities of women in the protection of religion have a rich part. A brief overview is here. To make the topic more concrete and clear, we take it to this particular accident in history, because the topic is broad, so we chose an event that was established against the cruel system of caliphate and governance in the protection of religion. In the history of Islam, there is a model in all the circumstances of the establishment and that accident is the incident of Karbala. Because among the most significant movements and events in the entire history of Islam, the sacrifices offered in Karbala movement are the crown of history, in the shine of which the women in Karbala have added the shine of their role, which could not be matched till today and in the present day is a beacon for women.

Key Words: Ashura, Sacrifices, Karbala, Companion, Movement.

خلاصہ

آج کل کہا جاتا ہے کہ آج کی خواتین کسی بھی میدان میں مردوں سے پیچھے نہیں ہے، کسی شعبے میں ان کا کردار مردوں کی نسبت کم نظر نہیں آتا، لیکن اگر حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو اسلام کی آمد کے ساتھ عورت کو وہ حقوق مل گئے تھے، جنھوں نے عورت کے اندر برابری اور فخر کے احساس کو پیدا کیا اور اسے ناقابلِ تسخیر بنا دیا اور اس ہی سبب ان خواتین نے اپنی ذمے داریوں کو نبھاتے ہوئے اس دنیا میں ہونے والی تمام تحریکوں میں اہم

کردار ادا کیا ہے۔ اگر عظیم پیغمبروں کے واقعات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ خواتین کا کردار بہت موثر رہا ہے کیونکہ وہ اپنے دور کی ذمہ دار ترین خواتین تھیں۔ حضرت آدمؑ کا ذکر آتے ہی حتماً اماں حوا سلام اللہ کا ذکر خیر زبانوں پر جاری ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی قربانی حضرت ہاجرہ سلام اللہ کے کردار کے بغیر ادھوری ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا نام حضرت مریم سلام اللہ کے بنانا مکمل ہے۔ ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ام المومنین حضرت خدیجہ سلام اللہ کا ساتھ و سہارا موجود ہے۔ اس کے علاوہ جناب سیدہ فاطمہ سلام اللہ بھی ہر گھڑی، ہر مقام، ہر پریشانی میں اپنے شفیق پدر ﷺ اور اپنے خاوند حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شانہ بشانہ موجود رہتیں۔ خواتین کسی بھی رشتے میں کبھی اپنی ذمہ داریوں اور اپنے کردار سے کم نظر نہیں آئیں بلکہ ہمیشہ انہوں نے توقع سے بڑھ کر ہی ذمہ داریاں نبھائی ہیں۔ خواتین کی گود سے انقلاب جنم لیتا ہے ان ہی کی تربیت سے معاشرہ خوشحال اور بے خطر ہوتا ہے۔ اگر خواتین کو ان کی ذمہ داریوں کا ادراک ہو تو وہ اپنے مثبت کردار سے معاشرے کو جنت بنا سکتی ہیں۔ خواتین انسان ساز ہیں اور ان کا اہم فریضہ انسان سازی، معاشرہ سازی ہی ہے۔ اسلامی تاریخ کے دقیق مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی مومنہ اور فداکار خواتین گزری ہیں جنہوں نے سیاسی اور اجتماعی امور میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔

اولاد کو صحیح تربیت دینے کے علاوہ خود بھی مردوں کے شانہ بشانہ رہ کر دین اور معاشرے کی اصلاح کی ہے۔ خواتین نے اس دنیا کی بہت سی تحریکوں میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ محافظتِ دین میں خواتین کے کردار اور ذمہ داریوں کا بھرپور حصہ ہے زیر قلم مقالہ اسلام کے ایک لازوال واقعہ کے تناظر میں رقم کیا جارہا ہے جہاں محافظتِ دین میں خواتین کے کردار اور ذمہ داریوں نے ایک ناقابل تقابل و تسخیر تاریخ محفوظ کی جس کا ایک مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔ ہم موضوع کو زیادہ ملموس اور واضح کرنے کے لئے تاریخ کے اس خاص حادثے کی طرف لے کر جاتے ہیں کیوں کہ موضوع وسیع ہے اس لیے ایسا واقعہ منتخب کیا جو دین کی حفاظت میں ظالمانہ نظام خلافت وسیاست کے خلاف قیام میں تاریخ اسلام میں پیش آنے والے تمام قیام کے حالات میں ایک نمونے کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ حادثہ ہے واقعہ کربلا۔ کیوں کہ پورے تاریخ اسلام میں نمایاں ترین تحریکوں اور واقعات میں تحریک کربلا میں پیش کی گئی قربانیاں تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہے جس کی چمک دمک میں کربلا میں موجود خواتین نے اپنے کردار کی چمک شامل کی ہے جو آج تک مانند نا ہو سکی اور دور حاضر کی خوتین کے لئے مشعل راہ ہے۔

کلیدی کلمات: عاشورا، کربلا، ساتھی، قربانیاں، تحریک۔

تعارف

اوپر جلتا سورج ہے اور نیچے تپتی ریت ہے 61ہجری ہے اور میدان کربلا میں یوم عاشورا ہے اور نواسہ رسولﷺ اپنے پورے خانوادے کے ساتھ موجود ہیں ایک ایسی تاریخ رقم کرنے کے لئے جس میں زندگی کے تمام امور پر ایک عملی شکل مل جائے عاشورا کا واقعہ صرف عراق کی سرزمین کربلا میں ہونے والا ایک واقعہ نہیں ہے، بلکہ عاشورا ایک تحریک، ایک حقیقت، ایک مشن اور ایک مقصد کا نام ہے واقعہ کربلا تمام خصوصیات کا مجموعہ اور مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔ یہ واقعہ احساس ذمہ داری، صبر، استقامت، شجاعت، پرہیزگاری، عقیدہ، اخلاق اور طرز زندگی سکھاتا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس میں چھوٹے اور بڑے، خواتین اور مرد سب شامل ہیں اور ہر ایک کا اپنا کردار ہے۔

تاہم اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ عاشورا کو وجود اور رونق عطا کرنے والے باایمان اور شجاع مجاہدین درحقیقت اپنی ماؤں کے لئے ایک انمول سرمایہ تھے۔ واقعہ کربلا نے انسانیت کو سرخ رو کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار کو حیات نو بخشی ہے۔ اس عظیم اور بے مثال جنگ میں جہاں پر امام حسین علیہ السلام کے باوفا، بہادر فرزندان اور اصحاب کے بے نظیر کردار موجود ہیں وہاں پر خواتین کی اس عظیم مقصد کے لئے احساس ذمہ داری، بے مثل کردار اور عظیم قربانیوں سے انکار ناممکن ہے، جس کو انسانیت کی تاریخ نے ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سید الشہدا علیہ السلام نے بہت سے اصحاب کے مشورے کے برخلاف اپنے ہمراہ اسلامی معاشرے کی بقا کے لئے خواتین کو میدان کربلا میں لائے تھے۔ کربلا کی ان بہادر خواتین نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ نواسہ رسولﷺ کربلا میں خواتین کو بے مقصد نہیں لائے تھے۔

روز عاشورا اور بعد از عاشورا کی اٹھائی ہوئی خواتین کی ذمہ داریوں کا قرض آج تک اسلام ناچکا سکا اور ناچکا سکے گا کیونکہ یہ مثال عاشورا سے تا قیامت تک کے لئے قائم ہو گئی ہے۔ واقعہ کربلا نے انسانیت کو سرخرو کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار کو حیات نو بخشی ہے۔ کیوں کہ یہ وہ خواتین تھیں جنہوں نے ناصرف اپنی ذمہ داروں کو درک کر لیا تھا بلکہ ان نفوس قدسیہ کی زندگی اور کردار میں آج کی مسلمان خواتین کے لئے واضح درس ہے کہ زمانہ کتنا بھی ترقی کیوں نہ کر جائے حالات کتنے بھی سخت کیوں نہ ہو جائیں سماج کتنا بھی برا کیوں نہ ہو جائے مگر یہ سختیاں اور دشواریاں واقعہ کربلا کی سختیوں اور مصیبتوں کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ اس لئے ہمیشہ اپنے حوصلوں کو بلند رکھیں۔ حق کا ساتھ دیں، باطل کے خلاف ڈٹ کر کھڑی ہوں تو راستے خود بخود سہل ہو جائیں گے۔ جگہ جگہ پر ان محترم خواتین کا احکام خداوندی کی طرف توجہ دلانا اور ان کی مکمل رعایت کرنا صرف واقعہ کربلا تک محدود نہیں ہے بلکہ دور حاضر کی خواتین کو اس میں احساس ذمہ داری کے لازوال کردار ملیں گے۔

منہج تحقیق و تحدید

زیر قلم مقالہ کا منہج تحقیق واسلوب تجزیاتی، علمی اور بیانیہ ہے جب کہ چند مقامات پر تقابلی طریقہِ روشِ تحقیق بھی اختیار کیا گیا ہے۔ چوں کہ خواتین سے متعلق کئی عنوانات پر قلم کاری کی جاچکی ہے اس لیے راقمہ نے اپنے موضوع کی تحدید واقعہ کربلا کے تناظر میں محدود کی ہے۔

سابقہ تحریر کا جائزہ

"محافظتِ دین میں خواتین کے کردار اور ذمہ داریوں کا ایک مختصر جائزہ" کے عنوان سے قلم کاری کرنے سے قبل موضوع سے متعلق کتب سے استفادہ کیا جن میں سے چند کتب کا جائزہ زیر قلم ہے۔

1-**تعارف کتاب:** پہلی کتاب جو تقریباً موضوع سے وابستہ ہے بنام "مسلمان عورت اور اس کا اخلاقی و معاشرتی کردار" جس کے مصنف محترم محمد علی الہاشمی ہیں اور یہ لاہور شہر میں واقع مسلم پبلیکیشنز نے ماہ اکتوبر 2017ء میں شائع کی۔

جائزہ: اس کتاب میں محترم مصنف نے بلخصوص مسلمان عورتوں کے اخلاقی و معاشرتی کردار پر قلم کاری کی ہے اور علیحدہ علیحدہ ابواب میں مسلمان عورتوں کے اخلاقی اور معاشرتی کردار کو بیان کرتے ہوئے رقم کیا ہے کہ کس طرح کا کردار نبھاتے ہوئے ایک مسلمان عورت اپنا مثبت کردار ادا کرسکتی ہے۔

2-**تعارف کتاب:** دوسری کتاب سید بدیع الدین شاہ راشدی کے قلم کا شاہکار بعنوان "اسلام میں عورت کا مقام" جو صوبہ سندھ سے جمعیت اہل حدیث کے ادارہ نشر واشاعت سے شائع کی گئی جنوری 2009ء میں۔

جائزہ: اس کتاب میں محترم مصنف نے عورت کے مقام کو مفصل طور پر رقم کیا ہے آیات واحدیث کے تناظر کے ساتھ ساتھ عورتوں سے جڑے عظیم تاریخی واقعات اور ادایان عالم میں عورتوں کے مقام کا تقابل بھی پیش کیا ہے۔

3-**تعارف کتاب:** تیسری کتاب بعنوان "اسلام نے عورت کو کیا دیا" جو کہ کراچی میں دار الثقلین نے اپریل 2016ء کو شائع کی اور اس کے مصنف جناب عبد الکریم بی آزار شیر ازی ہیں۔

جائزہ: اس کتاب میں محترم مصنف نے اسلام میں عورت کو دیئے گئے دنیاوی درجات ورتبے کے ساتھ ساتھ، وراثت وملکیت، ازدواج کے معاملات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

دور حاضر میں موضوع پر تحقیق کی ضرورت واہمیت

دور حاضر میں زیرِ قلم موضوع پر تحقیق کی ضرورت واہمیت بہت زیادہ ہے کیوں کہ دور حاضر کی مسلمان خواتین بھی اگر واقعہ کربلا میں موجود خواتین کی تسلیم ورضا اور جرات ووفا سے سبق حاصل کریں تو معاشرہ کامیابی کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔ اپنے پیاروں کے لہولہان جسم اور کٹے ہوئے سر دیکھ کر بھی کربلا کی بلند ہمت خواتین نے

جس صبر و رضا کا ثبوت دیا جس طرح سے حیاء و وفا اور غیرت کا مظاہرہ کیا اس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی ہے۔ واقعہ کربلا کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد جو چیز سب سے زیادہ روشن اور واضح طور پر نظر آتی ہے وہ ہے خدمت اسلام کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی اور اپنے اہل خاندان کی جان و مال کی پرواکیے بغیر دربارِ ایزدی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دینا اور ایک لمحے کے لئے بھی موت کے سامنے خوف و جھجک کا مظاہرہ نہ کرنا۔ موت سے بے خوفی اور جان و مال کی بے پروائی حقیقت میں وہ پاکیزہ جذبہ ہے، جس کو پیدا کیے بغیر امت مسلمہ کسی بھی دور میں کامران نہیں ہو سکتی۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ کسی بھی مخصوص مشن اور مخصوص پیغام کو دوام و بقاء عطا کرنے کے لئے یہ جذبہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ بغیر آخری درجے کی لگن اور فدائیت کے کوئی بھی تحریک نہ دنیامیں قائم ودائم رہی اور نہ مستقبل میں رہ سکتی ہے۔ چناں چہ قرآن حکیم نے اِس قیمتی جذبے اور کربلا کے سب سے واضح پیغام کی قدر دانی اِن الفاظ میں کی ہے :

"إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ" (4:61)

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جہاد کرتے ہیں۔"[1]

واقعہ کربلامیں موجود خواتین کو ذمہ داریوں کاادراک

امام حسین علیہ السلام کے قافلے والے جب سے کربلا آئے اور کوفہ والوں کی بے وفائی کا پتہ چلا تب سے لے کر جب ان پر پانی بند کیا گیااوران کے پیاروں کوان کے سامنے شہید کیا گیاتب تک مسلسل اذیت ناک حالات سے دوچار رہے لیکن عاشقانِ رسول ﷺ کے اس قافلے کی احساس ذمہ داری، صبر واستقامت میں ذرہ برابر بھی کمی نہ آئی۔ نہ ہی عشقِ ﷺ کم ہوا نہ ہی قدم لڑکھڑائے بلکہ ان کا حوصلہ بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا کیونکہ اس قافلے میں موجود خواتین نے اپنی ذمہ داریوں کوامر کرنا تھا۔

آفرین ہے ان خواتین پر کہ جب ان کے اپنے بھائی، شوہر اور اولاد کو ایک ایک کر کے ان کے سامنے شہید کیا گیا اور پھر ان کے اجساد کو بے گور وکفن تپتے صحرا میں چھوڑ کر آنا پڑا تو انہوں نے مردانہ واران تمام مصائب کا سامنا کیا۔ ان کو بے پردہ کوفہ و شام کی گلیوں میں پھرایا گیا لیکن وہ مقصدِ شہادت نہ بھولیں نہ ہی مصیبت سے بچنے کے لئے یزید ملعون کے سامنے سر جھکایا۔ بلند ہو ان شہزادیوں اور کنیزوں کا مقام جنہوں نے اپنی اولین ودینی ذمہ داری سمجھتے ہوئے نہایت ہمت و دلیری کے ساتھ مقصدِ حسینؑ کو زندہ رکھا۔ اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر امام عالی مقام جانتے تھے کہ کربلا میں شہید کر دیئے جائیں گے تو اپنے ساتھ خواتین کو کیوں لے کر گئے، تو یقین جانیئے کہ نواسۂ

رسول ﷺ کا کوئی قدم بھی حکمت سے خالی نہیں، اگرامام حسین علیہ السلام صرف مردوں کو لے کر چلے جاتے اور خواتین کو نہ لے کر جاتے تو پھر نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو کربلا میں شہید کر دیا جاتا اور ان کی قربانی کربلا میں دفن ہو کر رہ جاتی۔

مقصدِ امام حسین علیہ السلام دنیا تک نہ پہنچ پاتا بلکہ کربلا میں ہی مقید ہو جاتا، جس مقصد کے لئے قربانی دی گئی تھی وہ مقصد فوت ہو جاتا اور لوگ اسے محض اقتدار کی جنگ ہی سمجھتے رہتے۔ اگر میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا اصل مقصد آج زندہ ہے تو انہی خواتین کے طفیل جنہوں نے کربلا، کوفہ و دمشق بلکہ ہر مقام پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور عام لوگوں کے سامنے مقصدِ حسین علیہ السلام کو واضح کرنا اپنی اہم ترین ذمہ داری جانا۔ یزید نے اپنے کارندوں کے ذریعے قریہ قریہ شہر شہر یہ جھوٹی منادی کروادی گئی تھی کہ کچھ خارجیوں نے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں کوفہ پر حملہ کیا تھا اور ہم نے ان پر فتح حاصل کی ہے۔ ان کے تمام مردوں کو مار دیا گیا ہے اور ان کے گھر والوں کو شہر کے گلی کوچوں میں نشانِ عبرت بنا کر پھرایا جائے گا۔

ذرا غور کیجئے کہ اگر امام حسین علیہ السلام اپنے قافلے میں خواتین کو شریک نہ کرتے تو یزید کی یہ چال کامیاب ہو جاتی اور اصل مقصدِ حسینؑ ختم ہو جاتا لیکن اسیر خواتین نے اپنا فریضہ و ذمہ داری مانتے ہوئے عوام پر یہ بات ثابت کر دی کہ یہ جنگ اسلام کی بقا کی تھی اقتدار کی نہیں اور جنگی غیر مسلم نہیں بلکہ آلِ رسول ﷺ تھے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ اگر اسلام زندہ ہے امامِ حسین علیہ السلام کی قربانی اور شہادت کی بنا پر، تو نامِ حسین علیہ السلام زندہ ہے شہزادی زینب بنت علیؑ اور ان کے ساتھ شریک خواتین کی قربانی و احساس ذمہ داری کی بنا پر۔ ایک اور وضاحت کرتے چلیں کہ کچھ لاعلم لوگ اسے آج بھی اقتدار کی جنگ ہی کہتے ہیں۔

جان لیں کہ اقتدار ایک حاکمیت کے بھوکے کی خواہش کے سوا کچھ بھی نہیں اور خواہشیں اندوہ ناک حالات میں جب جان اور عزت داؤ پر لگ جائے، دم توڑ جاتیں ہیں لیکن عظیم مقصد اپنے اندر عظم حوصلہ اور استقامت رکھتا ہے اور عظیم مقاصد کے حامل ہی ایسی مصیبتوں کا مقابلہ کرتے ہیں جو کہ پہاڑوں کا سینہ بھی چیر دیں۔ چونکہ اس جنگ کا مقصد اسلام کو اصل ڈگر پر لانا تھا اسی لیے نہ تو کوئی مرد جان قربان کرنے سے گھبرایا اور نہ ہی ساتھ آنے والی خواتین ڈگمگائیں اور جب انہیں بے پردہ اور ننگے پاؤں کوفہ کی تپتی گلیوں میں پھرایا گیا تو اپنی مصیبتوں پر رونے کی بجائے خطبوں اور نوحہ گری کے ذریعے امام حسین علیہ السلام کے مقصد اور قربانی کو زندہ رکھنے کی کوشش میں لگی رہیں جنہوں نے اپنے صبر اور حوصلے سے کربلا اور اس کے بعد اپنے کردار سے ایک خاص تاریخ رقم کی اس کا سبب واقعہ کربلا میں موجود خواتین کا

اپنی ذمہ داریوں کا ادراک تھا۔ واقعہ کربلا کی شہادت واسیری کے دوران خواتین نے اپنی وفاداری احساس ذمہ داری اور ایثار وقربانی کے ذریعہ اسلامی تحریک میں وہ رنگ بھرے ہیں کہ جن کی اہمیت کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہے جو رہتی دنیا تک کی خواتین کے لئے ذمہ داری نبھانے کی اعلیٰ مثال ہے۔ باپ، بھائی، شوہر اور کلیجے کے ٹکروں کو اسلام وقرآن کی بقا کے لئے راہ خدا میں مرنے کی اجازت دے دینا اور زخم وخون سے رنگین جنازوں پر سجدہ شکر ادا کرنا آسان بات نہیں ہے اسی چیز نے ضمیر فروش قاتلوں کو انسانیت کی نظروں میں ذلیل وخوار کر دیا ماوں، بہنوں اور بیٹیوں کے ضبط اشک نے مردہ دلوں کو بھی جھنجھوڑ کے رکھ دیا مگر وہ خود پورے وقار وجلال کے ساتھ قتل واسیری کی تمام منزلوں سے گزر گئیں اور شکوے کا ایک لفظ بھی زبان پر نہ آیا۔

نصرت اسلام کی راہ میں پہاڑ کی مانند ثابت قدم رہیں اور اپنے عزم وہمت اسلام کے لئے اپنے اوپر عائد ذمہ داریوں کے تحت کوفہ وشام کے بازاروں اور درباروں میں دین اسلام کی فتح کے پرچم لہرا دیئے واقعہ کربلا میں موجود خواتین نے جو یہ احساس ذمہ داری نبھایا وہ صرف واقعہ کربلا کے لئے نہیں تھا بلکہ تا قیامت تک کی خواتین کے لئے اپنی زندگی کے ہر موڑ پر آنے والی ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہونے کا درس ہے۔ حضرت زینبؑ اور ان کی ہم قدم وہم آواز حضرت ام کلثومؑ، رقیہؑ، ربابؑ، لیلاؑ، ام فروہؑ، سکینہؑ، فاطمہؑ اور عاتکہ نیز امام کے اصحاب وانصار کی صاحب ایثار خواتین نے ذمہ داری، شجاعت اور ایثار وقربانی کے وہ لازوال نقوش ثبت کیے ہیں جن کو کسی بھی صورت مٹایا نہیں جا سکتا۔

چنانچہ عصر عاشورہ کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب اہل حرم کے خیموں میں آگ لگادی گئی، بیبیوں کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں تو جلتے خیموں سے نکل کر مصیبت زدہ خواتین اور بچے کربلا کی جلتی ریت پر بیٹھ گئے۔ امام وقت سید سجاد علیہ السلام غشی کے عالم میں تھے، جناب زینب بنت علیؑ نے اپنی بہن ام کلثومؑ کے ساتھ آگ کے شعلوں سے خود کو بچا بچا کر بھاگتے بچوں کو ایک جگہ جمع کیا، کسی بچے کے دامن میں آگ لگی تھی تو کسی کے رخسار پر طمانچوں کے نشان تھے، کوئی ظالموں کی یلغار کے دوران پاوں تلے دب کر جان دے چکا تھا تو کوئی پیاس کی شدت سے جاں بلب تھا۔ اضطراب وبے چینی کی قیامت خیز رات حسین علیہ السلام کی بہنوں نے حضرت عباس بن علی علیہ السلام کی طرح ذمہ داری پہرہ دیتے ہوئے ٹہل ٹہل کر گزار دی۔

گیارہ محرم کی صبح اسیری کے پیغام کے ساتھ نمودار ہوئی۔ لشکر یزید شمر اور خولی کی سرپرستی میں رسیاں اور زنجیریں لے کر آگیا۔ خواتین رسیوں میں جکڑ دی گئیں اور بیمار سید سجاد علیہ السلام کے گلے میں طوق اور ہاتھوں اور پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔ بے کجا وہ اونٹوں پر سوار، خواتین اور بچوں کو قتل گاہ سے لے کر گزرے اور بیبیاں کربلا

کی جلتی ریت پر اپنے وارثوں اور بچوں کے بے سر لاشے چھوڑ کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ لیکن اس ہولناک اسیری کی دھوپ میں بھی اہل حرم کے چہروں پر عزم و استقامت کی کرنیں بکھری ہوئی تھیں۔ نہ گھبراہٹ، نہ بے چینی، نہ پچھتاوانہ شکوہ کیونکہ انہوں نے آئندہ نسلوں کی خواتین کو احساس ذمہ داری کے وہ بے مثال عملی مظاہرے دینے تھے جو آج تک چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی تازہ ہیں اور ان کا نعم البدل آج تک موجود نہیں۔

اعتماد و اطمینان سے سرشار نگاہیں اور نور یقین سے گلنار چہرے۔ مظلومیت کا یہی وہ رخ ہے جو بتاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنی اس انقلابی مہم میں اہل حرم کو ساتھ لے کر کیوں نکلے تھے ؟اور جناب زینبؑ کو کیوں بھائی کی ہمراہی پر اس قدر اصرار تھا؟اور ابن عباس کے منع کرنے پر کیوں امام حسین علیہ السلام نے کہا تھا کہ 'خدا ان کو اسیر دیکھنا چاہتا ہے'۔ صرف ماؤں کی گودیوں سے شیر خوار بچوں کی قربانیاں، اصل مقصود نہیں ہو سکتیں۔ جوان بیٹوں اور بھائیوں اور نوخیزوں اور نونہالوں کی لاشوں پر صبر و شکر کے سجدے بھی خواتین کی ہمراہی کا اصل سبب نہیں کہے جاسکتے۔ بلکہ اہل حرم کی اسیری، کتاب کربلا کا ایک مستقل باب ہے اگر حسین علیہ السلام خواتین کو ساتھ نہ لاتے اور انہیں اسیروں کی طرح کوفہ و شام نہ لے جایا جاتا تو یزید کے شاطر نمک خوار صحرائے کربلا میں پیش کی گئی خاندان رسول کی عظیم قربانیوں کو رائیگاں کر دیتے۔

یزیدی ظلم و استبداد کے دور میں جان و مال کے خوف اور گھٹن کے ساتھ حصول دنیا کی حرص و ہوس کا جو بازار گرم تھا اور کوفہ و شام میں بسے مال و زر کے بندوں کے لئے بیت المال کا دہانہ جس طرح کھول دیا گیا تھا، اگر حسین علیہ السلام کے اہل حرم نہ ہوتے اور حضرت زینبؑ اور امام سجاد علیہ السلام کی قیادت میں خواتین نے خطبوں اور تقریروں سے جہاد نہ کیا ہوتا تو سر زمین کربلا پر بہنے والا شہدائے راہ حق کا خون رائیگاں چلا جاتا اور رسل و رسائل سے محروم دنیا کو برسوں خبر نہ ہوتی کہ آبادیوں سے میلوں دور کربلا کی گرم ریت پر کیا واقعہ پیش آیا اور اسلام و قرآن کو کس طرح تہہ تیغ کر دیا گیا۔ روز عاشور جب خون تلوار پر غالب نظر آیا، جب کربلا کی تپتی زمین پر خانوادہ رسول ﷺ نے اسلام کی حیات کے لئے اپنی زندگیوں کے چراغ ایسے گل کیے کہ ان کی روشنی ہر اندھیرے میں حق کی تلاش کرنے والوں کو آج بھی راستہ دکھاتی ہے ایسے میں خواتین نے اس کی تشہیر کو اپنی فرض ذمہ داری بنالیا۔ واقعہ کربلا میں موجود خواتین کی عمر کی کوئی حد نہیں تھی جو یہ ذمہ داریاں اپنے کردار سے احسن طریقے سے نبھا رہی تھیں ان میں کمسن ترین سکینہ بنت الحسین علیہ السلام سے لے کر پیر سن اماں فضہ تک موجود تھیں تا کہ ہر دور اور ہر عمر کی عورت کو ذمہ داریوں کو سمجھنے اور اس کا احساس کرنے کا درس مل سکے۔ قرآن کریم نے اس سلسلے میں ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

"وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ" (60:8)

ترجمہ: "اوران کا سامنا کرنے کے لئے جو قوت تم اختیار کر سکتے ہو اس کے لئے تیاری کرو۔"[2]

ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ کا استعمال فرمایا گیا:

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نفساً إِلَّا وُسْعَهَا" (286:2)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق ہی مکلّف بنایا ہے۔"[3]

جوانوں کو جنگ کی تشویق اور ترغیب دلانے کی ذمہ داری

جب دشمنان دین اسلام اور فوج امام کے درمیان ایک غیر عادلانہ جنگ شروع ہوئی تو ان دلیر اور باکردار خواتین نے جنگ کے ظاہری نتائج سے آگاہ ہونے کے باوجود اپنے مردوں کو اس عظیم کار خیر کی تشویق اور ترغیب دلانے کی ذمے داری کو اپنے رشتوں پر مقدم رکھا۔ کربلا کے واقعے میں بہت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ خواتین اپنے شوہروں، بھائیوں اور بیٹوں حتی کہ معصوم بچوں کو بھی کو حوصلہ دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ کسی بھی صورت میں کوئی سستی کا مظاہرہ نہ ہو۔ جیسا کہ عبداللہ ابن وہاب کلبی کی ماں کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ اپنے جوان بیٹے سے کہنے لگی بیٹا اگر مجھے خوش کرنا ہے تو آج نواسہ رسول ﷺ کی مدد کرکے خوش کریں ،جب عبداللہ میدان جنگ میں جا کر کچھ منافقین کو واصل جہنم کرکے واپس آئے اور کہنے لگے کہ

> اے مادر گرامی کیا اب آپ مجھ سے راضی ہیں؟ تو اس وقت اس کی ماں کہنے لگی میں تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہونگی جب اپنی جان رسول خدا ﷺ کے فرزند پر قربان کرتے ہوئے جام شہادت نوش نہ کرلو۔"[4]

اسی طرح عمرو ابن جنادہ کی ماں "بحریہ" اپنے شوہر کے شہادت کے بعد گیارہ سالہ بیٹے کو ترغیب دلا کر میدان کی طرف روانہ کیا اور جب دشمن نے بیٹے کو بھی شہید کرکے اس کے سر کو اس کی طرف پھینکا تو یہ کہہ کر واپس کیا کہ

"ہم جو چیز راہ خدا میں دیتے ہیں اسے واپس نہیں لیتے۔"[5]

یہ ان عظیم ماؤں کی ہمت تھی کہ اسلام کی سربلندی کے لئے انہوں نے اپنی عمر بھر کی کمائی جناب علی اکبر جیسے کڑیل جوان کو امام حسین علیہ السلام کے لئے عظیم مشن پر قربان کیا تو کہیں اپنے چھ ماہ کے ننھے شیر خوار کو امام کا مجاہد بنا کر پیش کیا اور کہیں اپنی آنکھوں سے اپنے پیارے نوشاہ بیٹے کے جسم مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ تربیت اگر ایسی ماؤں کی ہو تو پھر فرزند تاریخ میں باقی رہ جانے والے سپوت کیوں نہ بنیں یہ ہی وہ ہمت و ذمہ داری کے مظاہرے تھے جس نے انقلاب ایران، فلسطین، کشمیر اور یمن کی عورتوں کو اپنی ذمہ داری نبھانے کا حوصلہ دیا۔

صبر واستقامت

خواتینِ کربلا کا ایثار اور صبر و استقامت تعجب انگیز ہیں۔ یہ خواتین اپنی زندگی کے سب سے عزیز سرمایوں کو راہ خدا میں دیتے ہوئے بھی خوشی کا اظہار کرتی تھیں۔ اپنے شوہر، بھائیوں اور جوان بیٹوں کی شہادتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی ان کے ہمتوں اور جذبوں میں لغزش نہیں آئی۔ یہاں تک بعض خواتین اپنے عزیزوں کے لاشوں کو جب خیمہ گاہ لائے جاتے تو خیمے سے باہر تک نہیں نکلتی اور اپنے احساسات کو چھپا کر رکھتی اور بلند آواز سے گریہ وزاری سے اجتناب کرتی تھیں۔

"جیسا کہ علی اصغر کے لاشہ مبارک کو امام دفن کرنے لگے تو ان کی ماں بیٹے کی تدفین کے لئے خیمے سے باہر نہیں آئیں، اسی طرح علی اکبر کا لاشہ لایا گیا تو ان کی ماں نے خیمے سے باہر نکلنے سے اجتناب کیا۔"[6]

"ہانی الکوفیہ سے جناب وہب کلبی نے ۲۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کو عقد کیا۔ ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ شب زفاف کو ۱۷ دن ہی گزرے تھے کہ کربلا میں پہنچے۔ وہب جب جہاد کرتے کرتے شہید ہو گئے تو ان کی بیوی نے سرہانے آکر اس کے چہرے سے خون کو صاف کیا۔ شمر ملعون نے اپنا غلام بھیجا جس نے اس خاتون کے سر پر وار کیا اور وہ بھی شہید ہو گئیں۔ اور وہ پہلی خاتون تھی جو امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں سے شہید ہوئیں۔"[7]

جنگ میں شرکت

تاریخ اسلام میں بہت سے جنگوں میں خواتین نے شرکت کی ہے لیکن کربلا میں موجود خواتین کی کردار مختلف ہیں۔ اپنے پیاروں کی قربانیاں پیش کرنے کے بعد بھی بہت سے خواتین امام علیہ السلام کی مدد کے لئے خیموں سے نکل کر دشمن پر حملہ آور ہوئیں۔ عمرو ابن جنادہ کی ماں بحریہ اپنے شوہر اور بیٹے کی شہادت کے بعد خیمے کے ستون کو ہاتھ میں لے کر میدان میں آگئی اور عمر سعد کے دو فوجیوں کو جہنم رسید کیا اور امام حسین علیہ السلام کے حکم پر واپس خیمے میں پلٹیں روز عاشورا کے اسی جوش وجذبے نے دور حاضر کی خواتین میں باطل کے خلاف ڈٹ جانے کا احساس ذمے داری پیدا کیا ہے خواہ وہ کشمیر ہو، لبنان ہو شام یا فلسطین۔

مردوں کی حوصلہ افزائی

خواتین کے مردوں کے مقابلے میں حوصلے کمزور ہوتے ہیں مشکلات اور پریشانی کے موقع پر ان کے حوصلے جلد ان کا ساتھ دینا چھوڑ دیتے ہیں لیکن کربلا میں ہزاروں مشکلات اور پریشانی کے باوجود روز عاشورا کی خواتین نے حبیب ابن مظاہر جیسے مرد پیر سے لے کر علی اصغر جیسے کمسن کی قربانیاں پیش کیں تاریخ میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ کسی خاتون نے اپنے شوہر، بیٹے یا والد سے شکوہ کیا ہو کہ ہمیں یہاں کیوں لے آئے، بلکہ تین دن کے پیاس اور

بھوک کے باوجود ان کے حوصلے مزید بلند ہوتے گئے اور اپنے مردوں کو شوق شہادت دلاتی رہی کیونکہ ان کا احساس ذمہ داری ان پر غالب تھا جیسے دور حاضر میں مقبوضہ وحالتِ جنگ کے شکار ممالک کی خواتین اس عملِ ذمہ داری کو دور حاضر میں نبھا رہی ہیں۔

بچوں کو تسلیاں دینا

عاشورہ کے دن خواتین کے اوپر بہت بڑی ذمہ داریاں عائد تھیں انہوں نے نہ صرف اپنے پیاروں کی شہادتوں کو برداشت کیا بلکہ اس عظیم ظلم و ستم سے سہمے ہوئے بچوں کو سنبھالنا اور انہیں تسلیاں دینا بھی انہی کی ذمہ داری تھی۔ جب خیمہ گاہ حسینی سے آگ کے شعلے بلند ہوئے تو بچے ہراسان ہو کر میدان کربلا کے طرف نکل گئے اور شام غریبان انہی خواتین نے یتیمان آل رسول ﷺ کو تلاش کرکے دوبارہ خیموں میں جمع کیا اور جب اسیر ہو کر چلے تو شہزادی اُمِ کلثومؑ نے تمام خواتین اور بچوں میں ان کے حصے کی ذمہ داری جگاتے ہوئے ان کو نصیحت کی کہ جیسے ہی کسی شہر میں داخل ہوں تو باآوازِ بلند قرآن کی تلاوت کرتے رہیں۔ ایسا کرنے سے لوگ جان گئے کہ یہ لوگ نہ صرف مسلمان ہیں بلکہ ان کے طریقہ تلاوت سے ظاہر ہوتا تھا کہ کسی اعلیٰ عربی خاندان سے ان کا تعلق ہے۔

قیمتی اشیاء سے دستبرداری

عاشورا اور اس کے بعد خواتین کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک دین کی حفاظت، خاندان نبوت پر لگائے گئے الزمات کا جواب دینا تھا۔ یہ خواتین پابند رسن اسیر تھیں، ان کے خیمے جلائے گئے تھے، ان کے پیاروں کو بے دردی کے ساتھ شہید کردیا گیا تھا، ان کے زیورات اور قیمتی چیزوں کو غارت کیا گیا تھا اس کے باجود عظمت اہل بیتؑ پر کوئی آنچ آنے نہیں دی اور دین کی حفاظت میں اپنی جانیں دینے کے لئے ہر لمحہ تیار ہو جاتی تھیں۔

بنی اسد کی خواتین

جنگ عاشورا اپنے اختتام کو پہنچنے کے بعد جب عمر ابن سعد کے حکم پر اپنے فوجیوں کے لاشوں کو دفن کیا۔ جب کہ نواسہ رسول ﷺ، جگر گوشہ بتولؑ و علیؑ اور ان کے باوفا ساتھیوں کے لاشے کربلا کے تپتی زمین پر بے گور و کفن پڑے رہے اور کسی میں ہمت نہیں ہوئی کہ ان کو دفنا دیا جائے تو اس وقت "میدان کربلا سے کچھ ہی دور واقع قبیلہ بنی اسد کی خواتین اپنی ذمہ داری سمجھتی ہوئی ہاتھوں میں بیلچے اٹھائے تدفین شہدا کے لئے نکل آئیں تو ان کے مردوں کو غیرت پیدا ہوئی اور ان کی مدد کے لئے آئے یوں شہدا کی تدفین ہوئی اور آج وہ مرقد عظیم عبادت گاہ بن چکے ہیں۔"[8]

عاشورہ کے بعد خواتین کی ذمہ داریاں

اصل میں خواتین کی حقیقی ذمہ داریاں عاشورا کے بعد شروع ہوتی ہیں۔ جب عاشورا کے اس واقعے میں امام سجاد علیہ السلام کے علاوہ تمام مردان حسینیؑ کو شہید کیا گیا تو یہ باعظمت خواتین اپنے کندھوں پر حقیقت کربلا کے پیغام

رسانی کا ایک سنگین ذمہ داری اٹھا کر پابند رسن ہو کر نکلیں۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ خواتین نہ ہوتیں تو بنی امیہ کے جھوٹے پروپیگنڈوں اور تبلیغات کے ذریعے شہدا کا ناحق خون جو کربلا کی سرزمین پر بہایا گیا تھا اپنے اصلی مقصد حاصل کرنے میں شائد کامیاب نہ ہوتا۔ اسی عظیم مقصد کی خاطر امام حسینؑ اپنے ساتھ خواتین کو بھی کربلا کی تپتی ریت پر لے کر آئے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ خواتین اپنی احساس ذمہ داری کی روش سے وہ ابدی حیات دیں گی واقعہ کربلا کو جو ہماری تلواریں نا دے سکیں گی۔

عاشورہ کے بعد اپنے پیاروں سے جدائی کا غم، شہدا پر گریہ وماتم کرنے کا موقع نہ ملنے کا صدمہ، اپنے اور اہل وعیال کے بے سرپرست ہونے کا دکھ، ظالموں کی طرف سے مسلسل ملنے والی ذہنی وجسمانی تکالیف اور سب سے بڑھ کر دشمن کے نرغے اور حصار میں ہونے کے احساس کے باوجود صبر ووفا کی پیکر ان خواتین کے حوصلے بلند تھے اور اپنے اوپر عائد ذمہ داری کو وفاداری سے اپنے مضبوط کردار سے نبھاتی رہیں۔ ان خواتین نے خواہ وہ دشمن کا دربار ہو یا شام وکوفہ کا بازار کہیں پر بھی دشمن کو یہ محسوس ہونے نہیں دیا کہ یہ مظلوم اور اسیر ہیں اور حالات سے خوفزدہ ہیں بلکہ ہر جگہ اپنے قول اور فعل سے یہ بتاتی چلیں کہ اصل میں اس معرکہ کا فاتح حسین ابن علی علیہ السلام ہیں۔

حضرت زینبؑ کا کردار ان تمام خواتین کے کردار میں سے نمایاں ہے آپؑ نے شام وکوفہ کے درباروں میں ان تمام قیدیوں کی رہنمائی اور سرپرستی کے ساتھ دشمن کے سامنے بھی اپنے موقف کو واضح انداز میں بیان کیا۔ بی بی زینبؑ وہ ہستی ہیں جن کے خطبوں سے کربلا کی تحریک کو تا قیامت اسی شدید جذبے سے یاد رکھا جائے گا جیسے وہ صدیوں کی بات نہیں کل ہی کا قصہ ہو۔ حضرت زینبؑ قوت برداشت اور صبر کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ کی تین اہم ذمہ داریوں کا آغاز ہوا تھا جن کو آپ نے کمال کامیابی کے ساتھ نبھایا۔ سب سے بڑی ذمہ داری امام وقت کی تیمارداری اور دشمن سے ان کی حفاظت، دوسری ذمہ داری ان خواتین اور بچوں کی حفاظت، جو بیوہ ہو چکی تھیں اور بچے یتیم۔ تیسری ذمہ داری کربلا کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانا تھا۔

دم توڑتی انسانیت کو زندہ کرنے کا جو ارادہ حضرت امام حسین علیہ السلام گھر سے لے کر نکلے تھے اس کو انجام تک کردار اور گفتار کے ذریعے شہزادی زینبؑ نے پہنچایا۔ انہی کی سربراہی میں اہل حرم نے کوفہ وشام کے گلی کوچے میں اپنے خطبات کے ذریعے یزیدیت کے ظلم کا پردہ چاک کیا اور رہتی دنیا تک ہونے والی کسی بھی سازش کو بروقت بے نقاب کر دیا۔ ثانی زہرا نے شام غریباں سے شروع ہونے والی اپنی اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔ چاہے کربلا کی شام غریباں ہو یا کوفہ وشام کے بازار و دربار، آپؑ نے ہر جگہ دشمنوں کی سازشوں اور اپنے بھائی کے مقصد شہادت کو کھل کر بیان کیا۔

آپ نے نہ صرف اسیران کربلا کے قافلے کی حفاظت اور قیادت کی بلکہ اپنے خطبات سے کوفیوں اور شامیوں کے سامنے یزیدیوں کی حقیقت کھول کر رکھ دی۔ آپ نے اپنے بابا فاتح خیبر کے لہجے میں خطبے دے کر ظلم کے ایوانوں پر لرزہ طاری کر دیا اور جو یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے مظلوم کربلا کو شہید کرکے اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ دور کر دی ہے تو حیدر کرار کی شیر دل بیٹی نے ان کی یہ غلط فہمی دور کر دی۔ یہ بات تاریخ کے اوراق پر لکھی واضح دکھائی دیتی ہے کہ دین اسلام کو بقاامام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی شہادت سے نصیب ہوئی اور اس مقصد کی تکمیل سیدہ زینبؑ کی اسیری اور کوفہ وشام کے بازاروں اور درباروں میں ان کے حیدری لہجے کے خطبوں سے ممکن ہوئی۔ یعنی دین مبین اسلام کی ترویج یقیناً امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے ہی ہوئی مگر اس کی تکمیل جناب زینبؑ کے کھلے سر بازاروں میں جانے سے ہوئی۔

امام حسین علیہ السلام کے اہداف کو مختلف مقامات پر خاص طور سے دربار یزید میں اسلامی ملکوں کے نمائندوں کے درمیان ضمیروں کو جھنجھوڑ دینے والا بینظیر خطبہ دینا اور بنی امیہ کی حکومت اور اس کی افکار کو زمانہ بھر کے سامنے رسوا کر دینا یقیناً یہ دلیری اور شجاعت فقط اور فقط عقیلہ بنی ہاشم جناب زینبؑ کے ساتھ مختص ہے۔ دختر علیؑ و بتولؑ کی دین کے لئے احساس ذمہ داری، دلیری اور شجاعت کے ساتھ ساتھ تقوی اور دین داری کی یہ حالت تھی کہ اتنے سخت حالات میں بھی اپنی نماز شب کو نہیں بھولیں اور حالت اسیری میں بھی نماز کی ادائیگی ترک نہ کی اس طرح سب پر اہمیت نماز بھی واضح کر دی اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ جنہیں باغی قرار دے کر شہید کیا گیا وہ اسلام کے اصل وارث تھے۔ اس کے بعد بازاروں اور درباروں میں دیئے گئے خطبات بھی تاریخ کے سنہرے ابواب ہیں ان خطبات نے ہی اس صورت حال کو تبدیل کر دیا جو یزیدیوں نے اپنے حق میں بنائی تھی۔

کسی بھی تحریک کا پیغام عوام تک پہنچانا بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ کربلا کی تحریک کے پیغام کو عوام تک کربلا کی اسیر خواتین نے پہنچایا ہے۔ جناب زینبؑ کے بے مثال کردار اور قربانیوں سے تاریخ کربلا روشن نظر آتی ہے۔ کربلا کی ان مثالی و احساس ذمہ داری سے بھرپور خواتین نے ملوکیت کی پروردہ قوتوں کے مقابل اپنے معصوم بچوں کو بھوک و پیاس کی شدت سے بلکتا ہوا دیکھنا گوارا کیا، یہاں تک کہ اپنے سہاگوں کو بھی راہ خدا میں قربان ہوتے دیکھا لیکن رسول اللہ ﷺ کے دین کی کشتی انسانیت کو ڈوبنے نہیں دیا اور اپنی اسلام کے لئے جو ذمہ داری تھی انہیں احسن طریقے سے برتا۔ واقعہ کربلا کو بے نظیر و لاثانی بنانے میں خواتین کربلا کے بے مثل ایثار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ معرکہ کربلا میں اگر خواتین نہ ہوتیں تو مقصد قربانی سید الشہدا امام حسین علیہ السلام ادھورا ہی رہ جاتا۔ یہی سبب ہے کہ نواسہ رسولؐ ملوکیت کے مقابلے میں بیداری اُمت کی تحریک میں اپنے ہمراہ اسلامی معاشرے کی مثالی خواتین کو میدان کربلا میں لائے تھے۔

خلاصہ بحث

اللہ نے خواتین کو عزت و احترام کا وہ بلند مقام بخشا جو اس کی اصل اور فطرت کے عین مطابق ہے۔ عورت احساس ذمے داری سے لبریز وہ افضل و برتر وجود ہے جو خود اور پورے معاشرے کو سعادت اور نیک نامی کے ساتھ ساتھ عظمت و نیک بختی کی سعادت کے راستہ پر گامزن کر سکتی ہے۔ یہ عورت ہی ہے جس نے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مل کر چراغ انسانیت کو تا قیامت روشن کر دیا ہے۔ مرد اور عورت دونوں معاشرہ اور جامعہ کو تشکیل دینے میں برابر کے شریک ہیں۔ اسی طرح اس معاشرے کی حفاظت کرنے میں بھی ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ فرق صرف طور و طریقے میں ہے۔ معاشرہ سازی میں خواتین کا کردار دو طرح سے نمایاں ہوتا ہے:

1) پہلا کردار غیر مستقیم اور ناپیدا ہے جو اپنے بچّوں کی صحیح تربیت اور شوہر کی اطاعت اور مدد کرکے ادا کرتی ہے۔

2) دوسرا کردار مستقیم اور حضوری ہے جو خود سیاسی اور معاشرتی امور میں حصہ لے کر اپنی فعالیت دکھاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر خواتین کا کردار مردوں کے کردار سے بڑھ کر نہیں ہے تو کم بھی نہیں۔

عظیم شخصیات جنہوں نے معاشرے میں انقلاب پیدا کئے یا علمی درجات کو طے کئے ہیں، ان کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے ان کی کامیابی کا راز دو شخصیتوں کی فداکاری کا نتیجہ ہے، ایک وہ باایمان اور فداکار ماں، جس کی تربیت کی وجہ سے اس کی اولاد کامیابی کے عظیم مقام تک پہنچ گئی ہیں۔ ماں کی گود سے انسان کی معراج شروع ہوتی ہے۔ دوسرا وہ باوفا اور جان نثار بیوی، جس کی مدد اور ہمکاری کی وجہ سے اس کا شوہر کامیابی کے بلند و بالا درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ خداوند عالم نے انسانوں میں سے مرد و عورت کو ایک دوسرے کے لئے مددگار، محافظ، ایک دوسرے کے لئے پردہ اور ایک دوسرے کے لئے باعث عزت بنا کر خلق کیا۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (2:187) اس آیت مجیدہ میں ایک دوسرے کو لباس سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی لباس گرمی و سردی سے بچاتا ہے، مرد اور عورت بھی مشکل حالات میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے والا ہو۔ لباس عیوب انسانی کو چھپاتا ہے، مرد عورت بھی ایک دوسرے کے عیوب کو چھپانے والا ہو۔ الغرض تمام صورت میں مرد و عورت ایک دوسرے کے ساتھ دیئے بغیر معاشرے میں آگے بڑھنا ممکن نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے، خواہ وہ بیوی کی صورت میں دل بہلا کر حوصلہ دینے والی ہو، یا بیٹی کی صورت میں دل کا چین بن کر مرد کو سکون بخشتی ہو، یا ماں کی صورت میں خلوص دل سے دعائیں دینے والی ہو، یا بہن کی صورت میں ایک ہی ساتھ ہر مشکل میں بھائی کا ساتھ دینے والی ہو۔ اسلام تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مقام اور ہر موڑ پر خواتین کا کردار موجود

ہے۔ یہی وجہ تھی کربلامعلیٰ کے اس عظیم انقلاب میں بھی ابتدا سے ہی خواتین کا کردار مردوں کے برابر ہے۔ کربلا کی یہ عظیم تحریک اور سید الشہداء کی یہ عظیم قربانی آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہونے کی وجہ ثانی زہراؑ اور دیگر خواتین کا ہی کمال ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ "کربلا در کربلامی ماند اگر زینبؑ نبود" اگر علیؑ کی بیٹی، محمد ﷺ کی نواسی اور حسنؑ و حسینؑ کی بہن زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نہ ہوتی تو کربلا کی تحریک کا مقصد اور ہدف کربلاکے سرزمین میں ہی دفن ہو جاتا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر خواتین احساس ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام کا ساتھ نہ دیتیں تو اُمت مسلمہ کی بیداری کی یہ تحریک کبھی کامیاب نہ ہوتی بلکہ یہ کربلاکے میدان میں ہی ختم ہو جاتی اور دور حاضر کی خواتین کے پاس ہمت و حوصلے کی کوئی مثال نا ہوتی۔ ان خواتین نے ہی اس واقعہ کی یاد کو زندہ جاوید بنا دیا۔ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے انصار و مجاہدین کو ان کی ماؤں اور بیویوں نے ہمت اور حوصلہ دیا کہ تم سے زیادہ قیمتی جناب فاطمہ زہراؑ کے فرزند ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے ہوتے ہوئے دشمن ان کو نقصان پہنچا دے، اگر ایسا ہوا تو ہم روز محشر سیدہ زہراؑ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ پروردگارا ہماری خواتین کو بھی ان عظیم خواتین سے درس لے کر تعلیمات محمد ﷺ و آل محمد علیہم السلام کی دفاع کے لئے کربلا کی خواتین و کردار زینبی ادا کرنے اور ہمیں حسین ابن علی علیہ السلام کی سیرت مبارکہ پر چلنے اور قیامت کے دن انہی ہستیوں کی شفاعت نصیب فرما۔ آمین یارب العالمین۔

نتائج

موجودہ موضوع پر بعد از قلم کاری یہ نتائج اخذ کیے کہ جس طرح تاریخ اسلام کی خواتین شجاعت و استقامت سے ظلم و جبر کا مقابلہ کرتی تھیں دور حاضر کی خواتین کو اس امر میں خود کو مضبوط و توانا کرنے کی بھرپور ضرورت ہے۔ احکام دین اسلام کی سربلندی کے لئے تاریخ میں خواتین نے جان، مال آل و اولاد، حسب و نسب سب کی قربانی دی مگر تعلیمات اسلامی، شعائر اسلامی پر آنچ نا آنے دی۔ دنیاوی ہر شے پر محافظت دین مقدم ہے خواہ اس کے لئے کیسی بھی قربانی دینی پڑے۔

تجاویز و آراء

اس تحقیقی عمل کے اختتام پر تجاویز کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے کیونکہ موجودہ تحقیق ایک محدود دائرے میں کی گئی ہے لہٰذا پہلے حصے میں تجویز دی جاتی ہے کہ اس کے دیگر پہلوؤں پر مزید تحقیق کے لئے کچھ اور محققین جستجو کریں اور انکا احاطہ کریں اس لئے محققین کرم کے لئے ان پہلوں اور نکات کا ذکر کرنا چاہوں گی جو راقم کی حدود تحقیق سے باہر تھے۔

اول حصہ: مجوزہ تحقیقی موضوعات برائی محققین

1. کربلا! نصرت اسلام کی راہ میں خواتین کا تاریخی کردار۔
2. خواتین کا واقعہ کربلا کو بے نظیر بنانے میں اہم کردار ایک تحقیقی جائزہ۔
3. عہد حاضر کی خواتین اور زینبیؑ کردار کی ضرورت۔
4. دور حاضر و کربلائی ماؤں کا کردار تقابلی جائزہ۔
5. ظالمانہ نظام سیاست کے خلاف قیام میں خواتین کا کردار اور ذمہ داریاں۔
6. دین کی حفاظت میں خواتین کا کردار اور ذمہ داریاں۔
7. تاریخ کے آئینے میں دین کی حفاظت میں خواتین کا کردار اور دور حاضر کی خواتین کی ذمہ داریاں۔
8. مستورات واقعہ کربلا مستورات عصرِ حاضر کے لئے مشعل راہ۔

دوم حصہ: برائی ہر خاص وعام

واقعہ کربلا سے سامنے آنے والے اہم نتائج اور اِن کے پیغامات کے قرآنی و حدیث کے جائزے سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ کربلا کی سرزمین پر شہادت امام حسین علیہ السلام و اہل بیتؑ کا واقعہ عصرِ رواں کے لئے بھی بڑی معنویت کا حامل ہے۔ اس واقعے سے ماخوذ دونوں نتائج یعنی اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے اپنی جان و مال کی فکر نہ کرنا اور انجام کی پرواکیے بغیر اپنی سی کوشش کرڈالنا، امت مسلمہ کے موجودہ تمام مسائل کا حل ہیں۔ امت مسلمہ اگر اسوۂ حسینی پر چلتے ہوئے خدمت اسلام کے لئے اپنی جان و مال وقف کردے اور ہر زن و مرد حتی الامکان کوشش کرنے میں لگ جائے تو یقینا عالم اسلام اُن تمام فکری، سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل سے نکل آئے گا، جنہوں نے پوری مسلم دنیا کو اپنے شکنجے میں کس رکھا ہے۔ ورنہ حضرت حسین علیہ السلام سے زبانی محبت کا دعویٰ تو غیر مسلم بھی کرتے رہے ہیں کامیابی کو پانے کے لئے ہمیں اسوہ امام حسین علیہ السلام و زنان کربلا پر لازماً چلنا ہوگا کیونکہ واقعہ کربلا سے حاصل ہونے والا سب سے بڑا پیغام یہ ہے کہ اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے حالات کی ناسازی کا شکوہ کرنا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا مومن کی شان نہیں ہے۔ ایک سچے مسلمان کا انداز تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق جو کچھ کرسکتا ہو کر گزرے۔

*****

References

1. Ayatollah Nasir Makaram, Shirazi, *Tafsir-e-Namona*, Mutrajam: Maulana Syed Safdar Hussain Najfi (Lahore, Misbah-ul-Qur'an Trust, 1417 AH), np.

آیت اللہ ناصر مکارم، شیرازی، تفسیرِ نمونہ، مترجم مولانا سید صفدر حسین نجفی (لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، 1417ھ)، صفحہ ندارد۔

2 . Ibid.

ایضاً۔

3. Ibid.

ایضاً۔

4. Syed Muhammad Jawad Zhni, Tehrani, Mutrajam: Nasir Mehdi Jara, *Maktal al-Hussain (a.s.) Madinah say Madinah Tak* (Lahore, Idarah Minhaj al-Saliheen, 2012), 369.

سید محمد جواد ذھنی، تہرانی، مترجم: ناصر مہدی جاڑا، مقتل الحسینؑ مدینہ سے مدینہ تک،(لاہور، ادارہ منہاج الصالحین، 2012ء)، 369۔

5. Syed Ali Muhammad Mousvi Jazayari, Muqtal Abi Makhnaf, Nagarish (Qum, Antarhat bin Zahra, 1390 SH), 72.

سید علی محمد موسوی جزائری، مقتل ابی مخنف، نگارش (قم، انتشارات بن زہرا، 1390ق)، 72۔

6. Tehrani, *Maktal al-Hussain (a.s.) Madinah say Madinah Tak*, 378.

تہرانی، مقتل الحسینؑ مدینہ سے مدینہ تک، 378۔

7. Zahra Yazdan Panah, *Zanaan Ashurai* (Tehran, Mossah Antarhat wa Tablighat Hilal, 1382 SH), 18.

زہرہ یزدان پناہ، زنان عاشورایي (تہران، موسسہ انتشارات وتبلیغات ہلال، 1382ش)، 18۔

8. Abul Al-Wayd Al-Mufaq bin Ahmad, Khwarazmi, Muqtal al-Hussain (AS), (Najaf, Matboha Al-Zahra, 1367 SH), 32.

ابوالموید الموفق بن احمد خوارزمی، مقتل الحسین (ع)، (نجف، مطبعہ الزہراء، 1367ق)، 32۔

اَلْمَحَجَّةُ الْبَیْضاء فی تَهْذیبِ الْاِحْیاء : ایک تبصرہ

Al-Mahajjat al-Bayza fi Tahzeeb al-Hiya: A Review

Open Access Journal

Qtly. Noor-e-Marfat

eISSN: 2710-3463

pISSN: 2221-1659

www.nooremarfat.com

Note: All Copy Rights are Preserved.

Syed Rameez ul Hassan Mosvi

Director NoorulHuda Markaz-e Tehqeeqat; Bara Kahu, Islamabad

E-mail: srhm2000@yahoo.com

Abstract:

"*Al-Mahajjat al-Bayza fi Tahzeeb al-Hiya*" is the best book on ethics in the Arabic language. Its author is Mullah Mohsen Faiz Kashani (died 1091 AH). Al-Din'' contains corrections and analysis. This book has four parts, which include titles such as Ibadat, Adaat, Muhalkaat and Munjiyat. The eminent researcher Ali Akbar Ghafari has edited this book and there is also a scholarly preface on it in which, apart from introducing Imam Ghazali, Abu Hamid has also pointed out the scholarly mistakes of his book Ahya Uloom, to which Allama Amini, the author of the book "Al-Ghadir", has drawn attention.

Key Words: Bibliography, Muhjah, Bayza, Tahsib al-Ahyaya, Ahyaya Ulum al-Din, Ghazali, Mohsin Faiz, Kashani.

خلاصہ
" اَلْمَحَجَّۃُ الْبَیْضاء فی تَھْذیبِ الْاِحْیاء " عربی زبان میں علم اخلاق کی بہترین کتاب ہے۔ جس کے مؤلف ملا محسن فیض کاشانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی۱۰۹۱ھ) ہیں۔ یہ کتاب در حقیقت، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب " اِحیاء علوم الدین" کی اصلاح اور شرح پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے چار حصے ہیں جو عبادات، عادات، مُہلکات و مُنجیات جیسے عناوین پر مشتمل ہیں۔ ممتاز محقق علی اکبر غفاری نے اِس کتاب کی تصحیح کی ہے اور اس پر ایک علمی مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں ابو حامد امام غزالی کا تعارف کرانے کے علاوہ اُن کی کتاب احیاء العلوم کی اُن علمی لغزشوں کی نشاندہی بھی کی ہے جن کی طرف کتاب "الغدیر" کے مولف، علامہ امینیؒ نے توجہ دلائی ہے۔

کلیدی کلمات: کتاب شناسی، محجۃ، بیضاء، تہذیب الاحیاء، احیاء علوم الدین، غزالی، محسن فیض، کاشانی۔

علامہ غزالی کا اجمالی تعارف

مختلف تذکرہ نگاروں نے امام غزالی کے حالات زندگی کے بارمیں جو کچھ لکھا ہے اُس کے مطابق: حُجَّۃُ الِاسْلَام، امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی شافعی (متوفی 505ھ) تمام علماء کے نزدیک بلند پایہ مقام و منزلت رکھتے ہیں۔ وہ ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے ابتدائی تعلیم ایران کے صوبہ خراسان کے شہر طُوس میں حاصل کی، اس کے بعد نیشاپور کا قصد کیا جہاں امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ جُوَینی سے اکتسابِ علم کیا۔[1]

امام غزالی کی پوری زندگی مختلف علوم حاصل کرنے، انہیں پھیلانے اور اُمّتِ مسلمہ کی اصلاح میں گزری۔ اُن کا دور فلسفہ اور عقلیت پسندی کا دور تھا۔ لوگ دین سے دُور ہوتے جارہے تھے۔ اس صورتِ حال میں دین و مذہب کی خدمت کیلئے اُنہوں نے درس و تدریس کا راستہ اختیار کیا اور لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے لئے شاگردانِ رشید تیار کیے۔ شروع میں بغداد (مدرسہ نظامیہ) اور نیشاپور میں تدریس کی اور پھر اپنے علاقہ طُوس میں مدرسہ قائم کیا جس سے تادمِ آخر وابستہ رہے۔[2]

دینی خدمت کے لئے اُنہوں نے تدریس کے ساتھ ساتھ بہت سی کتابیں بھی لکھیں اور بہت تھوڑے عرصہ میں عقائد، فقہ، اصولِ فقہ اور تصوف وغیرہ کے موضوعات پر بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ بالخصوص علم تصوف اور علم الاخلاق پر آپ کی کتاب "اِحْیَاءُ عُلُومِ الدِّین" (جس کو اختصار کے پیشِ نظر احیاء العلوم کہا جاتا ہے) مشہور زمانہ ہے۔ اس کی تعریف ہر زمانے کے عُلَما کرتے آرہے ہیں۔ اسی کتاب کی اصلاح اور

شرح میں کتاب محجۃالبیضا تالیف کی گئی ہے، جس کا تعارف ان صفحات میں کرایا جارہا ہے۔

علامہ فیض کاشانی کا اجمالی تعارف

ملا محسن فیض کاشانی 1007ھ ہجری میں ایران کے شہر کاشان میں پیدا ہوئے۔ وہ گیارہویں صدی ہجری کے مشہور فیلسوف، محدث اور مفسر قرآن ہیں۔ اُنہوں نے ملا محمد تقی مجلسی، شیخ بہائی، میر داماد، میرفندرسکی، ملاصدرا اور سید ماجد بحرانی جیسے علماء سے کسب فیض کیا ہے۔ اُن کی مشہور تالیفات میں تفسیر صافی، الوافی، المحجۃ البیضاء ہیں۔ اُنہوں نے ۱۰۹۱ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کا اصل نام محمد تھا، لیکن محسن یا محمد محسن مشہور ہوئے۔ وہ ملاصدرا کے[3] داماد تھے،ان کے سسر نے انہیں فیض اور دوسرے داماد عبدالرزاق لاہیجی کو فیاض کے لقب سے نوازا۔[4]

فیض کاشانی کا شمار ان معتدل اخباریوں میں ہوتا ہے، اس لحاظ سے پہلے فقہا کے برعکس بہت سے مقامات پر ان کے نظریات مختلف ہیں۔ ان کے اہم ترین نظریات میں مخصوص شرائط کے تحت غنا کا جواز، مختلف واجبات شرعی کی نسبت سن بلوغ کا مختلف ہونا اور نماز جمعہ کا واجب عینی ہونا شامل ہیں۔ کاشان اور اصفہان میں اقامۂ نماز جمعہ ان کی سیاسی فعالیتوں میں سے ایک ہے۔

فیض کاشانی نے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کاشان سے کیا۔ 20 سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لئے اصفہان گئے۔ دو سال بعد شیراز میں سید ماجد بحرانی کی شاگردی اختیار کی اور دوبارہ اصفہان واپس آئے جہاں شیخ بہائی کے درس میں شرکت کی۔ حج کے سفر کے دوران شہید ثانی کی اولاد میں سے ایک عالم دین شیخ محمد سے اجازۂ روایت حاصل کیا۔ اس کے بعد قم میں ملا صدرا کی شاگردی اختیار کی اور ملا صدرا کی شیراز واپسی کے موقع پر ان ہی کے ہمراہ شیراز آئے اور تقریبا دو سال تک وہاں رہے۔ اگرچہ خوانساری اور دیگر علما معتقد ہیں کہ فیض نے پہلے سفر کے دوران شیراز میں ملا صدرا کی شاگردی اختیار کی، لیکن یہ بات خود فیض کاشانی کے ذکر کردہ حالات کے مطابق سازگار نہیں ہے۔[5]

آخر کار فیض کاشان واپس آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ قم میں مدرسہ فیضیہ کی اسم گذاری میں فیض کے یہاں رہنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بہت سے محققین مثلاً آفندی، حر عاملی، محدث نوری، شیخ عباس قمی، علامہ امینی وغیرہ نے فیض کاشانی کو فلسفی، حکیم، متکلم، محدث، فقیہ، شاعر، ادیب، عالم، فاضل جیسے کلمات سے یاد کیا ہے۔[6]

شاہ صفی نے انہیں اپنے دربار میں مدعو کیا، لیکن فیض کاشانی نے اس سے اجتناب کیا۔ اس کے بعد شاہ عباس دوم نے فیض کو دعوت دی کہ اقامۂ نماز جمعہ کے لئے دارالحکومت میں آئیں، لیکن فیض کاشانی

نے اس سے کنارہ گیری کی زندگی کو ترجیح دینے میں اپنے قریبیوں سے صلاح و مشورہ کے بعد اسے قبول کر لیا۔[7]

فیض کاشانی کی علمی تصانیف اور تالیفات

فیض کاشانی کی علمی تصانیف وتالیفات کی تعداد سو کتابوں پر مشتمل ہے۔سید نعمت اللہ جزائری نے ان کی کتابوں کی تعداد تقریبا 200 لکھی ہے۔ دیگر منابع میں 140 کتابیں ذکر ہوئی ہیں۔ جن میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

1- **علم الیقین فی اصول الدین**: جو کہ کتاب وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کے عقائد کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ خود فیض کاشانی "المعارف" کے نام سے کیا ہے۔

2- **عین الیقین فی اصول الدین**: اس کتاب میں اصول دین پر فلسفی دلائل و براہین عقلی کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ بھی خود فیض کاشانی نے کیا ہے اور اس کا نام "اصول المعارف" رکھا ہے۔

3- **انوار الحکمۃ**: یہ بھی کتاب علم الیقین کا خلاصہ ہے۔

4- **الکلمات المکنونۃ فی علوم اہل المعرفۃ**: اس کتاب کا بھی خلاصہ کرکے "الکلمات المخزونۃ" نام رکھا گیا ہے۔

5- **کتاب تشریح العالم**: یہ کتاب ہیئت عالم واجسام وارواح اور ان کی کیفیت و حرکات افلاک و انواع بسایط و مرکبات کے بارے میں لکھی گئی ہے۔

6- **اصول العقاید**: اس کتاب میں دین کے پنجگانہ اصولوں کی تحقیق کی گئی ہے۔

7- **کتاب الحقایق**: یہ کتاب ایران میں نراقی کی "جامع السعادات" کے حاشیہ میں چھپی ہے۔

8- **التذکرۃ در حکمت الٰہی**: آغا بزرگ طہرانی نے اس کا ذکر "الذریعہ" میں کیا ہے۔

9- **المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء**: یہ کتاب "احیاءُ علوم الدین" امام محمد غزالی (متوفی 505ھ) کی تلخیص ہے۔اس مقالے میں اسی کتاب کا تعارف کرایا جارہا ہے۔

10- **صافی در تفسیر قرآن**: دو مجلدات میں شائع ہوئی ہے جس میں تقریباً ستر ہزار روایات ذکر ہوئی ہیں۔ اس تفسیر کی تالیف ۱۰۷۵ھ میں مکمل ہوئی ہے۔ اس تفسیر کا فارسی اور اُردو ترجمہ بھی موجود ہے۔

11- **تفسیر اصفی**: یہ تفسیر صافی سے انتخاب ہے جس میں تقریباً ۲۱ ہزار روایات ذکر ہوئی ہیں۔

12- **الوافی**: یہ حدیث کی کتاب ہے جس کو فیض کاشانی نے امامیہ کی کتب اربعہ سے جمع کیا ہے۔ اس میں تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار روایات جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب سے فیض کاشانی کا حدیث پر تسلط ظاہر ہوتا ہے۔

13- **معتصم الشیعہ فی احکام الشریعہ**: اس کتاب میں شیعہ مذہب کے احکام شریعت ذکر ہوئے ہیں۔

14- **تنفیس الهموم**: اس میں فیض کاشانی کی مثنوی اور اشعار کو جمع کیا گیا ہے۔

15- **تقویم المحسنین**: اس کتاب میں سعد و نحس اوقات کے بارے میں ائمہ اطہار علیہم السلام سے منقول روایات جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب چند بار بمبئی سے شائع ہوئی ہے۔

16- **رسالہ در علم خدا**: اس رسالہ میں موجودات کے بارے میں ازل سے علم الٰہی کی کیفیت کے بارے میں بحث کی گئی ہے کہ آیا خدا اشیاء کے پیدا ہونے سے پہلے ان کے بارے میں عالم تھا یا نہیں؟ اس کے علاوہ ''مسئلہ وجود'' کے بارے میں سوال کا جواب کہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ کیا وجود مشترک لفظی ہے یا معنوی؟

17- **الاربعین فی مناقب امیر المومنین**: یہ کتاب امام علی علیہ السلام کے مناقب کے بارے میں لکھی گئی ہے۔

ان کے علاوہ بھی فیض کاشانیؒ کی بہت سی کتابیں ذکر ہوئی ہیں جن میں سے بعض چھپی ہوئی ہیں اور کچھ، مخطوطات کی شکل میں کتابخانوں میں محفوظ ہیں۔

محجۃ البیضا کی تالیف کا سبب اور زمانہ

کتاب الذریعہ کے مؤلف آقا بزرگ تہرانی لکھتے ہیں کہ فیض کاشانیؒ نے کتاب ''المحجۃ البیضاء فی تھذیب الاحیاء'' کی تالیف کا کام ۱۰۴۶ھ میں ختم کیا ہے۔ ''اَلْمَحَجَّةُ الْبَيْضاء فى تَهْذِيبِ الْاِحْيَاء'' کے مؤلف کتاب کے مقدمے میں اس کتاب کی تالیف کا سبب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ کتاب اُنھوں نے امام محمد غزالی کی کتاب ''احیاء علوم دین'' کی اصلاح اور شرح کے طور پر لکھی ہے۔ اُن کے مطابق امام غزالی اس کتاب کی تالیف کے وقت مذہب اہل سنت پر تھے لہٰذا اُنھوں نے اس کتاب کے بہت سے مطالب خصوصاً عبادات کا حصہ اہل سنت اصول و مبانی کے مطابق لکھے ہیں اور اُن افراد کی روایات پر اعتماد کیا ہے جو خدا اور رسولؐ پر جھوٹ باندھنے میں مشہور ہیں۔ اسی طرح فیض کاشانی کتاب احیاء علوم میں موجود صوفیا کے عجیب و غریب افسانوں اور قصے کہانیوں کو بھی غیر معقول قرار دیتے ہیں۔

یہ کتاب چہار حصوں پر مشتمل ہے، جن میں سے ہر ایک حصے میں دس ابواب ہیں۔ اس کتاب کی کلی شکل و صورت احیاء العلوم جیسی ہی ہے فقط ''آداب سماع و وجد'' کو ''اخلاق ائمہ اور آداب شیعہ'' میں تبدیل کیا گیا ہے۔ ''المحجۃ البیضا'' کے مقدمے میں اس کتاب کے مصحح علی اکبر غفاری نے ''احیاء العلوم'' کے نواقص کی تفصیل ذکر کی ہے اور اس کے مقابلے میں کتاب ''المحجۃ'' کی خوبیوں کو واضح کیا ہے۔ اسی طرح اُنھوں نے فیض کاشانی کے حالات زندگی کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

غزالی کی کتاب احیاء العلوم عوام کو اخلاق و معنویات کی طرف متوجہ کرانے کے لیے بہت اہم کتاب سمجھی جاتی ہے، چونکہ اس کا اسلوب اور روش بہت ہی دلچسپ ہے جس کی وجہ سے ایک شیعہ عالم دین اس کتاب کو شیعہ

مسلمانوں کے لئے بھی ضروری سمجھتا ہے جس کے نتیجے میں امام غزالی کی یہ کتاب شیعہ عالم دین فیض کاشانی کے ذریعے تصحیح اور اصلاح کے بعد المحجۃ البیضاء کے نام سے منظر عام پر آتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو شیعہ تعلیمات کے مطابق لکھی گئی کتب اخلاقیات میں یہ کتاب بھی ایک خاص مقام حاصل کر لیتی ہے، چونکہ یہ کتاب تمام اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آیات قرآن اور احادیث محمد وآل محمد علیہم السلام سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ملا فیض کاشانیؒ نے امام غزالی کی احیاء العلوم ہی کے اسلوب پر اخلاقی مضامین کو ترتیب دیا ہے اور اسے احیاء العلوم ہی کی اصلاح و تصحیح قرار دیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہے کہ ایک شیعہ عالم دین ہر قسم کے تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک سنی عالم دین کے روش تالیف کی پیروی کرتا ہے اور اُسے اپنے ہم مذہب مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیتا ہے اور اُس کے کام پر علمی نقد و نظر کرتے ہوئے اسے بہترین انداز میں اہل علم کے سامنے پیش کرتا ہے۔

فیض کاشانی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: میں نے ابو حامد محمد غزالی طوسی کی تصانیف میں سے "احیاء علوم دین" کو دیکھا کہ جو پوری دنیائے اسلام میں مشہور کتاب ہے۔ یہ کتاب اس شخص کے لئے بہت ہی اہم اور فائدہ مند مضامین پر مشتمل ہے جو اعلیٰ معنوی اور دینی مقام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جناب غزالی کا بیان بہت خوبصورت اور اس کا اسلوب تحریر بھی بہت قابل ستایش ہے۔ چونکہ وہ اس کتاب کی تالیف کے وقت مسلک اہل سنت پر تھے۔ لہٰذا اُنہوں نے ایسے مطالب اور مضامین ذکر کیئے ہیں جو ہم شیعوں کے لئے قابل قبول نہیں اور اہل سنت کے غلط عقائد میں سے ہیں اور بعض مطالب صوفیوں کی بدعتوں پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح (عالی مضامین کو پیش کرنے میں) اہل بیت اطہار اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث سے استفادہ نہیں کیا گیا۔ بعض روایات ایسے افراد سے نقل کی گئی ہیں جو جھوٹی روایات نقل کرنے اور خدا اور رسول خدا ﷺ پر جھوٹ باندھنے میں مشہور ہیں۔ اس میں صوفیوں کے خلاف عقل عجیب و غریب قصے اور کہانیاں بھی نقل کیے گئے ہیں۔ اسی طرح غزالی نے اہل بیت اطہار علیہم السلام کی تعلیمات کو بھی چھوڑ دیا ہے جن کی دعوت خود قرآن اور احادیث رسول ﷺ نے دی ہے۔ اس کے بعد فیض کاشانی لکھتے ہیں: کتاب کے بہت سے مضامین مفید ہیں اس لیے شیعوں کا ان سے محروم ہونا کسی بھی طرح درست نہیں، خاص کر اس زمانے میں کہ جب لوگوں کی اکثریت جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہو گئی ہے، اس کتاب سے کا وجود اور لوگوں کا اس سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔

اس کے بعد ملا فیض کاشانی اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں نے کوشش کی ہے کہ جو مطالب شیعہ عقائد کے ساتھ سازگار نہیں، اُنہیں حذف کر دوں اور ہر باب میں شیعہ عقائد اور اہل بیت اطہارؑ کی احادیث سے استفادہ کروں۔ اور جہاں اضافی اور غیر ضروری باتیں تھیں جو قارئین کی کتاب میں دلچسپی کو کم کرتی ہیں، اُنہیں

بھی حذف کر دیا ہے۔ البتہ کتاب کے کلی اسلوب اور ترتیب کو تبدیل کرنے سے جہاں تک ہو سکا ہے اجتناب کیا ہے حتیٰ اس کے الفاظ کو بھی تبدیل نہیں کیا چونکہ یہ کتاب بہت ہی خوبصورت بیان اور تحریر کی حامل ہے۔
تہذیب کتاب احیاء العلوم غزالی اور خود ملا محسن کاشانی کے الفاظ میں (و احیاء احیائہ احیاء لعلوم الدین بحیاۃ اخری) یعنی اس کام کے ذریعے میں نے کتاب احیاء کو دوبارہ احیاء کیا ہے۔ اور اس کا نام (المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء) رکھا ہے اور آپ چاہیں تو اسے "المحجۃ البیضاء فی احیاء الاحیاء" بھی کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا اس طرح میں نے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے اور آخرت کے لئے ذخیرہ فراہم کرنے کی سعی کی ہے۔ اُمید ہے یہ کتاب سالکین الی اللہ کے لئے مفید ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور میں اس پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں شریک ہو سکوں۔[8]
یہ کتاب "المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء" پر فیض کاشانیؒ کے مقدمے کا خلاصہ تھا جسے ہم نے اپنے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

کتاب کے مضامین پر ایک نظر

یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے جن کی اجمالی فہرست یہ ہے:

حصہ عبادات

1۔ کتاب علم 2۔ کتاب قواعد عقائد 3۔ کتاب اسرار طہارت 4۔ کتاب اسرار نماز 5۔ کتاب اسرار زکات 6۔ کتاب اسرار روزہ 7۔ کتاب اسرار حج 8۔ کتاب آداب تلاوت قرآن 9۔ کتاب اذکار و ادعیہ 10۔ مختلف اوقات میں اوراد واذکار کی ترتیب پر مشتمل کتاب۔

حصہ عادات

اس حصے میں فیض کاشانیؒ نے آداب معاشرت ذکر کئے ہیں جس کے اہم ابواب یہ ہیں:
1۔ آداب غذا خوردن؛ 2۔ آداب ازدواج؛ 3۔ آداب احکام کسب؛ 4۔ کتاب حلال و حرام؛ 5۔ لوگوں کے ساتھ مصاحبت و معاشرت کے آداب 6۔ کتاب عزلت؛ 7۔ کتاب آداب سفر؛ 8۔ کتاب اخلاق ائمہ و آداب شیعہ؛ 9۔ کتاب امر بہ معروف و نہی از منکر؛ 10۔ کتاب اخلاق نبوت و آداب معیشت۔

حصہ مہلکات

1۔ کتاب شرح عجائب دل 2۔ کتاب ریاضت نفسٍ؛ 3۔ کتاب شکم و فرج کی شہوتوں کی آفات؛ 4۔ کتاب

آفات زبان؛ 5۔کتاب خشم، کینہ و حسد کی مذمت 6۔کتاب مذمت دنیا؛ 7۔کتاب مذمت ثروت و بخل؛ 8۔کتاب مذمت جاہ و ریا؛ 9۔کتاب مذمت کبر و خود پسندی؛ 10۔کتاب مذمت غرور۔

حصہ مُنجیات (یعنی وہ چیزیں جو انسان کو ہلاکتوں سے نجات دلاتی ہیں)

1۔کتاب توبہ؛ 2۔کتاب صبر و شکر؛ 3۔کتاب خوف و رجا 4۔کتاب فقر و زہد 5۔کتاب توحید و توکل 6۔کتاب محبت، انس، شوق و رضا 7۔کتاب نیت، صدق و اخلاص 8۔کتاب مراقبہ و محاسبہ 9۔کتاب تفکر 10۔ کتاب ذکرالموت و ما بعدہ۔

اس طرح کتاب المحجۃ البیضاء چالیس ابواب پر مشتمل ہے یعنی ہر چار حصوں میں دس کتابیں (ابواب) ہیں۔ ان میں سے ہر کتاب اپنے مطالب اور موضوع کے لحاظ سے مختلف ابواب میں تقسیم کی گئی ہے۔ مثلاً کتاب عبادت میں آداب تلاوت قرآن کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب الاول: فضل القرآن و اهله؛ باب الثانی: فی آداب ظاهر التلاوة؛ باب الثالث: فی اعمال الباطن فی التلاوة؛

باب الرابع: فی فهم القرآن و تفسیره بالرای

ان مباحث کا طریقہ کار کچھ اس طرح ہے کہ ہر کتاب کے شروع میں اگر موضوع سے متعلق کوئی آیات قرآن ہیں تو انہیں ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی احادیث لائی جاتی ہیں۔

محجۃ البیضاء کے مخطوطات

المحجہ البیضاء کے محقق اور مصحح علی اکبر غفاری نے اس کتاب کی پہلی جلد میں اپنے مقدمے میں اس کتاب کے تین خطی نسخوں کا تعارف کرایا ہے۔

نسخہ سید شریف روضاتی (شمارہ نمبر 1)؛ نسخہ کتابخانہ آیت اللہ مرعشی نجفی (شمارہ نمبر 2)؛ نسخہ کتابخانہ استاد مرتضی مدرسی چہاردہی (شمارہ نمبر 3)

المحجہ البیضاء کی اشاعت

اس کتاب کے 8 حصے ہیں جو چار جلدوں میں شائع ہوئے ہیں اور یہ کتاب قم میں جامعہ مدرسین کے نشریاتی ادارے "موسسہ نشر اسلامی" نے شائع کی ہے۔ جس کا سال اشاعت ۱۴۲۸ھ ہے۔

اس کتاب کا فارسی ترجمہ "راہ روشن" کے نام سے عبدالعلی صاحبی، سید محمد صادق عارف، محمدرضا عطایی اور محمد حسین عطایی کے باہمی تعاون سے کیا گیا ہے جو "بنیاد پژوہش ہای آستان قدس رضوی مشہد" نے شائع کیا ہے۔ اسی ادارے نے محمد علی دوست کے ذریعے اس کتاب کے ترجمے کا خلاصہ بھی چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔

جلد اول میں عبادات کی بحث کا خلاصہ کیا گیا ہے اور دوسری جلد میں عادات، تیسری جلد میں مہلکات اور چوتھی جلد میں منجیات کی بحث کو بطور خلاصہ لایا گیا ہے۔اس کتاب کے اُردو ترجمے کے بارے میں ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ہے۔

کتاب المحجہ البیضاء فی تہذیب الاحیاء کے مضامین پر اجمالی نظر

فیض کاشانی نے اپنی کتاب المحجہ البیضاء میں امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم ہی کے اسلوب کے مطابق تعلیمات اہل بیتؑ کی روشنی میں علم اخلاق کو پیش کیا ہے۔درحقیقت فیض کاشانی کی نظر میں احیاء العلوم میں جو خامیاں تھیں اُن کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کتاب میں امام غزالی اور فیض کاشانی کے اخلاقی نظریات میں جو فرق ہے،اس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

بنیادی طور پر فیض کاشانی کا اخلاقی نظریہ وہی ہے جو امام غزالی نے احیاء العلوم میں پیش کیا ہے۔البتہ فیض کاشانی نے اس کی سختیوں اور طاقت فرسا ریاضتوں کو کہ جو بعض اوقات غزالی کی کتاب میں نظر آتی ہیں،حذف کرکے اُن کو ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے معتدل اور عاقلانہ انداز میں پیش کیا ہے۔غزالی پر فیض کاشانی کے اعتراضات اور اختلافات کا اہم حصہ "احیاء العلوم" کی کتاب ریاضت نفس کے باب مہلکات اور منجیات،توکل، فقراور زہد کے بارے میں ہے۔یہاں ان (اعتراضات واختلافات) کو بطور خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔غزالی کتاب "ریاضت نفس" میں،انسان کے اپنے نفسیاتی عیوب سے آگاہی کا پہلا اور اہم ترین راستہ "شیخ" کی اتباع واطاعت کو قرار دیتے ہیں۔"شیخ" اُس شخص کو کہتے ہیں جو نفس کے عیوب اور اُس کی پوشیدہ آفات سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے اور اپنے نفس پر مکمل تسلط رکھتا ہے۔ایسا شخص اگرچہ بہت مشکل سے ملتا ہے،لیکن سالک اگر کسی ایسے شخص کو پالے تو اس کے لیے تذکیہ نفس اور سیر وسلوک کا بہترین راستہ اس کی مکمل اطاعت ہی ہوگا۔[9]

فیض کاشانی، امام غزالی کی اس بات پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں کہ شیخ اور مراد سالک اگر ایسا شخص ہو کہ جس کی عصمت پر یقین نہیں کیا جاسکتا تو ایسے شخص پر اعتقادات یا عمل میں بھروسہ کرنا مفید ہونے سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔ بنابریں اخلاقی اور عرفانی سیر وسلوک میں مکمل اطاعت اور اعتماد فقط ائمہ معصومین علیہم السلام ہی پر کیا جاسکتا ہے (جن کی عصمت پر نص موجود ہے)۔[10]

۲۔امام غزالی، سالک اور حق کے درمیان ایک حد اور دیوار کے قائل ہیں جو چار موانع پر مشتمل ہے۔ جن کو ہٹائے بغیر حق کی طرف سالک کا باطنی سیر وسلوک ناممکن ہے۔[11]

یہ چار موانع، جاہ، مال، تقلید اور معصیت ہیں۔اُنہوں نے جاہ و مال کے بارے میں اس قدر طولانی گفتگو کی ہے کہ جس سے جاہ ومال کی مکمل مذمت ظاہر ہوتی ہے۔ جو انسان کو ایک طرح کی رہبانیت اور گوشہ نشینی کی طرف

لے جاتی ہے۔ یہ بات نہ فقط انسان کی عام اجتماعی زندگی کے خلاف ہے بلکہ انسان کی عزت نفس اور بعض انسانی احساسات کے بھی منافی ہے۔[12]

فیض کاشانی نے ابو حامد غزالی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے: پہلی بات تو یہ کہ جاہ و مال کی محبت کو بطور کامل ختم کرنا، انسان کے لئے ناممکن ہے۔ دوم یہ کہ شریعت اور دین نے بھی انسان سے اس قسم کا تقاضا نہیں کیا۔ چونکہ اس (محبت جاہ ومال) کا انسان میں ہونا، انسان کی اجتماعی زندگی کو چلانے کے لئے ضروری ہے جو انسان کے رشد و کمال کے لوازمات میں سے ہے۔ سوم یہ کہ اس سلسلے میں غزالی نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ انسان کے لئے دوسری بہت سی خرابیاں پیدا کرسکتا ہے۔ چونکہ گوشہ نشینی اور رہبانیت جہاں ایک غیر عاقلانہ اور اجتماعی لحاظ سے نقصان دہ چیز ہے وہاں اکثر اوقات، نہ فقط تہذیب نفس اور قرب خدا کے خلاف ہے، بلکہ جب انسان تنہا اور معاشرے سے الگ تھلگ ہوتا ہے تو شیطانی وسواس اُس پر بہت آسانی کے ساتھ حملہ کردیتے ہیں۔ اسی لئے احادیث میں مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اجتماعات میں شرکت کرنے اور ایک دوسرے سے ملنے جلنے کی تاکید کی گئی ہے۔[13]

۳۔امام غزالی نے ''کتاب فقروزہد'' میں زہد کا سب سے بلند ترین درجہ اس حالت کو قرار دیا ہے کہ جب انسان اضطرار اور ضرورت کے وقت نہ فقط اپنے حلال اور جائز مال میں بغیر کسی رکاوٹ کے دخل و تصرف کرنے سے پرہیز کرتا ہے بلکہ اس تک رسائی کو اپنے لیے پریشانی اور خوف کا باعث قرار دیتا ہے۔[14]

فیض کاشانی اس بات پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایسی حالت بالفرض ممکن ہو بھی تو یہ نہ فقط زہد نہیں بلکہ ایک قسم کا جنون اور عقل سلیم کے خلاف کام ہے۔ وہ زہد کی حقیقت بیان کرتے ہوئے امام علی علیہ السلام کے اس فرمان سے تمسک کرتے ہیں جس میں امامؑ نے فرمایا:

''وَ قَالَ علیه السلام الزُّهْدُ كُلُّهُ بَيْنَ كَلِمَتَيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ (لِكَيْلا تَأْسَوْا عَلى ما فاتَكُمْ وَ لا تَفْرَحُوا بِما آتاكُمْ) وَ مَنْ لَمْ يَأْسَ عَلَى الْمَاضِي وَ لَمْ يَفْرَحْ بِالْآتِي فَقَدْ أَخَذَ الزُّهْدَ بِطَرَفَيْهِ ''[15] یعنی: ''درحقیقت، زہد کا بلند ترین درجہ یہ ہے کہ انسان جس چیز کو ہاتھ سے کھودے اس پر غمگین نہ ہو اور افسوس نہ کرے اور جو کچھ اُسے مل جائے اس پر مغرور نہ ہو۔''[16]

۴۔امام غزالی توکل کی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے کسی چیز کے وجود میں آنے کے دو اسباب بیان کرتے ہیں ایک ظاہری اسباب اور دوسرے پوشیدہ اسباب۔ اور ظاہری اسباب پر اعتماد اور تکیہ کرنے کو توکل کے منافی قرار دیتے ہیں۔ لیکن حقیقی مسبّب الاسباب پر اعتماد کرتے ہوئے پوشیدہ ااور غیبی اسباب پر اعتماد کو توکل کے خلاف نہیں سمجھتے۔[17]

فیض کاشانی اُن پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر توکل کا مطلب اسباب سے قطع نظر خداوند متعال پر تکیہ کرنا ہے تو اس لحاظ سے ظاہری اور غیبی اسباب میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔[18] فیض کاشانی، غزالی کے برعکس بشرط مسبّب الاسباب پر مکمل تکیہ اور اُس کی جانب پوری توجہ کے، ظاہری اسباب سے استفادہ کو بھی غیبی اسباب کی طرح توکل کے منافی نہیں سمجھتے۔ اور اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظاہری اور باطنی علل و اسباب کے ذریعے مادی اور معنوی روزی طلب کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس کے ساتھ اس بات کی طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ انسان مختلف قسم کے اسباب یا اپنے عمل یا اپنی طاقت پر تکیہ نہ کرے اور حقیقی موٴثر کو ضرور مد نظر رکھے۔[19]

فیض نے اس سلسلے میں بعض افراط پر مبنی روایات اور حکایات نقل کرنے پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ اور احتمال دیا ہے کہ اس قسم کی چیزوں پر غزالی کا قلبی اعتقاد نہیں ہے بلکہ اُنہوں نے اہل حرص و خواہشات پسند لوگوں کو معتدل کرنے کے لئے یہ چیزیں نقل کی ہیں۔

۵۔ابو حامد غزالی نے "کتاب آفات زبان" میں غیبت کو کسی دینی بھائی کے بارے میں ایسی بات بیان کرنے سے تعبیر کیا ہے کہ جسے سننے کے بعد اُس کی ناراضگی کا سبب بنے۔ لیکن فیض کاشانی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے کسی شخص کی عدم موجودگی میں اُس کی مذمت اور سرزنش کی نیت سے اُس کی کسی ایسی خصوصیت یا کام کے بیان کو غیبت قرار دیا ہے کہ جو درواقع اُس شخص کا عیب نہ ہو۔ یعنی اس خصوصیت یا کام کی وجہ سے شرعاً اُس کی سرزنش یا مذمت نہ کی جاسکتی ہو۔ لیکن اگر کسی شخص کے بارے میں ایک مذموم بات اُس کی غیر موجودگی میں بیان کی جائے اور بیان کرنے والے کی نیت فقط کوئی دینی یا عقلی مصلحت ہو تو یہ غیبت شمار نہیں ہوگی۔[20]

۶۔ابو حامد غزالی، لعن کو بطور کلی جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر قرآن مجید میں کسی کے بارے میں لعن کو استعمال کیا گیا ہے تو اسے جائز جانتے ہیں۔ مثلاً قرآن میں کفار اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق قرار پائے ہیں۔[21]

لیکن فیض کاشانی کافر، منافق یا فاسق پر لعنت نہ فقط جائز سمجھتے ہیں بلکہ اُسے عبادت قرار دیتے ہیں۔ اور جو احادیث لعن کی نہی کے بارے میں نقل ہوئی ہیں اُنہیں اس کام میں لوگوں کو افراط پسندی سے بچانے کے لئے یا کسی شخص کی اصلاح کی اُمید کے سبب اُس پر لعن کی نہی کے طور پر قرار دیتے ہیں۔[22]

خلاصہ یہ کہ کتاب "محجۃ البیضاء" میں امام غزالی کے اخلاقی فلسفے اور فیض کاشانی کے نظریات کے درمیان سرسری موازنہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں عالم دین اور معلّمین اخلاق، شریعت کی اصل اور بنیاد، جسے عبودیت کہا جاتا ہے اور اس کے لوازمات یعنی اخلاص، تقویٰ اور نیکی و احسان کے بارے میں ہم آہنگ اور ہم عقیدہ ہیں۔ لیکن

فیض کاشانی نے اپنی کتاب ''المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء'' میں انسان کی اخلاقی حیات کو زیادہ سے زیادہ عاقلانہ اور معتدل انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے تاکہ انسان اپنی اجتماعی زندگی میں اور عملی میدان میں اخلاقیات اسلام کی وسیع تعلیمات سے بہرہ مند ہوسکے اور سیر وسلوک الی اللہ میں کامیابی کی اعلیٰ ترین منازل طے کرسکے۔

*****

References

---

1. Shams al-Din Muhammad bin Ahmad bin Usman, al-Zhahbi, *Seer al-Kalaam al-Nabla*, Vol. 14 (Beirut, Mosta al-Risalah, 1417 AH), 320.

شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، الذهبی، *سیر اعلام النبلاء*، ج14 (بیروت، موسستہ الرسالہ، 1417ھ)، 320۔

2. Muhammad bin Muhammad al-Hussaini, Al-Zubaidi, *Ithaf al-Sadat al-Mutaqeen Basharh Ihya al-Uloom al-Din*, Vol. 1 (Beirut, Darul Kitab al-Ilamiya, dn.), 8-65.

محمد بن محمد الحسینی، الزبیدی، *اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین*، ج1 (بیروت، دارلکتب العلمیہ، سن ندارد)، 8تا65۔

3. Mulla Mohsin, Faiz Kashani, Muqadma, Al-Wafi, Vol. 1, Muqadma Musanif, 4.

ملا محسن، فیض کاشانی، مقدمہ، الوافی، ج1، مقدمہ مصنف، 4۔

4. Khawansari, *Rawzat al-Janat*, Vol. 5, (nc., np., nd.), 79; Effendi Isfahani, Riaz Ulama, Vol. 5 (nc., np., nd.), 180; Qomi Sheikh Abbas, *Al-Kani wa Al-Qaab*, Vol. 3 (nc., np., nd.), 39; Mulla Mohsin, Faiz Kashani, Muqadma, *Al-Wafi*, Vol. 1, Muqadma Musanif, 17.

خوانساری، *روضات الجنات*، ج5، (شہر ندارد، ناشر ندارد، سن ندارد)، 79؛ افندی اصفہانی، *ریاض العلماء*، ج5 (شہر ندارد، ناشر ندارد، سن ندارد)، 180؛ قمی شیخ عباس، *الکنی و الالقاب*، ج3 (شہر ندارد، ناشر ندارد، سن ندارد)، 39؛ ملا محسن، فیض کاشانی، *الوافی*، ج1، ترجمہ مولف، 17۔

5. Mulla Mohsin, Faiz Kashani, Diwan,

ملا محسن، فیض کاشانی، دیوان، ص۵۸، با حوالۂ رسالہ شرح صدر فیض۔

6. Effendi, Riaz Ulama, Vol. 5, 182; Qomi Sheikh Abbas, Al-Kani wa Al-Qaab, Vol.3, 40; Khawansari, *Ruzat al-Janat*, Vol. 6, 93.

افندی، *ریاض العلماء*، ج5، 182؛ قمی شیخ عباس، *الکنی و الالقاب*، ج3، 40؛ خوانساری، *روضات الجنات*، ج6، 93۔

7. Faiz Kashani, Al-Wafi, Maqadma Masei, Vol.1, 18-30.

فیض کاشانی، *الوافی*، مقدمہ مصحح، ج1، 18-30۔

8. Mulla Mohsin, Faiz Kashani, *Maqadma Al-Mahjat al-Bayda fi Tehzeeb Il al-Ahya*, Vol. 1 (Beirut, Mossat al-Alami Lil-Matbohat, 1403 AH), 3.

ملا محسن، فیض کاشانی، مقدمہ *المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء*، ج1 (بیروت، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 1403ھ)، 3۔

9. Abu Hamid Muhammad bin Muhammad, Ghazali, Ihya al-Uloom al-Din (Tarjma: Maulana Nadeem Al-Wajdi), Shaikh Kamil ki Zarorat, Vol. 3 (Karachi, Karachi Darul-e-Sha'at, nd.), 127.

ابو حامد محمد بن محمد، غزالی *احیاء العلوم الدین* (ترجمہ: مولانا ندیم الواجدی)، شیخ کامل کی ضرورت، ج 3 (کراچی، کراچی دارالاشاعت، سن ندارد)، 127۔

10. Faiz Kashani, *Al-Mahjat al-Bayda fi Tehzeeb Il al-Ahya*, Vol.5, 130.

فیض کاشانی، *المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء*، ج5، 130۔

11. Ibid, Vol. 3, 75.

ایضاً، ج3، 75۔

12 . Ibid, 75-76.

ایضاً، 75-76۔

13 . Ibid, Vol.5, 126.

ایضاً، ج5، 126۔

14. Abu Hamid Muhammad bin Muhammad, Ghazali, *Ihya al-Uloom al-Din* (Tarjma: Maulana Nadeem Al-Wajdi), *Kitab Zuhd wa Faqr*, Vol. 4 (Karachi, Karachi Darul-e-Sha'at, nd.), 190.

ابو حامد محمد بن محمد، غزالی، *احیاء العلوم الدین* (ترجمہ مولانا ندیم الواجدی)، *کتاب زُہد وفقر*، ج4 (کراچی، کراچی دارالاشاعت، سن ندارد)، 190۔

15۔ تمام زہد قرآن مجید کے دو فقروں کے اندر سمٹا ہوا ہے "جو چیز ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر مغرور نہ ہو جاؤ" (سورۂ حدید، ۲۳) للذا جو شخص ماضی پر افسوس نہ کرے اور آنے والے سے مغرور نہ ہو جائے اس نے سارا زہد سمیٹ لیا ہے۔ (نہج البلاغہ، کلمات حکمت ۴۳۹)

16. Faiz Kashani, *Al-Mahjat al-Bayda fi Tehzeeb al-Ahya*, Vol.7, 350.

فیض کاشانی، *المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء*، ج7، 350۔

17. Ghazali, *Ihya al-Uloom al-Din* (Tarjma: Maulana Nadeem Al-Wajdi), *Kitab Tohid wa Tawakal*, Vol. 4 (Karachi, Karachi Darul-e-Sha'at, nd.), 3939.

غزالی، احیاء العلوم الدین (ترجمہ مولانا ندیم الواجدی) ،کتاب توحید وتوکل (توکل کی حقیقت)، ج4(کراچی، کراچی دارالاشاعت، سن ندارد)،3939۔

18. Faiz Kashani, *Al-Mahjat al-Bayda fi Tehzeeb al-Ahya*, 216.

فیض کاشانی، *المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء* ص216۔

19. Ibid, Vol.7, 423.

ایضاً، ج7، 423۔

20. Ibid, Vol.5, 258.

ایضاً، ج5، 258۔

21. Ghazali, *Ihya al-Uloom al-Din* (Tarjma: Maulana Nadeem Al-Wajdi), *Kitab Afaq al-Lisaan*, Vol. 3, 174.

غزالی ,احیاء العلوم الدین (ترجمہ مولانا ندیم الواجدی) ،کتاب آفات اللسان، ج3، 174۔

22. Faiz Kashani, *Al-Mahjat al-Bayda fi Tehzeeb al-Ahya*, Vol.5, 220.

فیض کاشانی، *المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء*، ج5، 220۔

Editorial

It is 59th serial issue of the Quarterly Research Journal *Noor-e-Marfat* and its 1st paper is titled as "The Impact of Allah almighty's Love & Non-Love upon the Social and Moral Upbringing of a Muslim Society". This paper – the 2nd part of which will be published in the next issue – claims that the Holy Quran has provided the complete content for the social and moral upbringing of human society. According to the author, the love and non-love [حُبّ /لاحُبّ] of *Allah Ta'ala* revolves around such human qualities that are socially and morally considered as virtues or vices.

Therefore, the life style of a real Muslim society can be drawn in the light of the verses of love and non-love. Author has analyzed in this part what impact does the love and non-love of *Allah Ta'ala* has upon society? We hope that this paper will be helpful in the reforming our social-moral attitudes.

The 2nd paper of this issue is titled as "The Foundation of Islamic Civilization in the Holy Prophet's Biography" (From the Viewpoint of the Leader of the Islamic Revolution of Iran, Him Ayatollah Khamenei). This article discusses about the teachings, life and the role of the holy Prophet (PBUH) in the foundation and evolution of Islamic society. According to the author, Ayatollah Seyd Ali Khamenei (live long!) has presented the most complete statements and writings on the subject, that cover all ages of the life of the Holy Prophet (PBUH), from his birth to his death. According to the article, Ayatollah Seyd Ali Khamenei has indicated 3 important points of the life and character of the Holy Prophet: monotheism, ethics and the foundation of Islamic civilization. In fact, Islamic civilization is founded upon the monotheism and ethics of the Holy Prophet (PBUH). Of course, this paper will

prove to be a beacon for the intellectuals and politicians trying to found an Utopia.

The 3rd article titled as "Iqbal and Sufism: Clearing up Some Misunderstandings", claims that the general impression assuming Allama Muhammad Iqbal as anti-sufism is not correct. Although Allama Iqbal has opposed traditional Sufism, he is not against the spirit of Sufism. Rather, some teachings of Sufis–such as completion and encouragement of the philosophy of seclusion–have been taught by Iqbal himself. Taking inspiration from Holy Prophet's seclusion in the cave of *Hira*, Iqbal, has made it necessary to abandon the splendor of gatherings to nurture the “Self”. His concept of *Jihad* (struggle) against “Self” and idea of “*Faqr*” (poverty) is also very close to some teachings of Sufis. For any mystical progress, Iqbal is also convinced of the necessity of a Perfect Man (انسانِ کامل) just like the "*Peer-i-Tarikat*" or "*Murshid-i-Kamil*" of Sufis.

The title of the 4th paper is "Zaydia: A Brief Introduction". According to the author, being linked to the brother of Imam Muhammad Baqir (AS) i.e Zaid, the followers of this sect are known as Zaydia. The followers of this sect still live in Yemen and some other places. This sect is closer to *Mu'tazila* in terms of some basic believes. The Zaydias, like the Shias, recognize Hazrat Ali (AS) as their imam and leader after holy Prophet (PBUH). Like all *Shia* and *Tafziliyah*, Zaydia consider Imam Ali (AS) to be the superior to all companions of the Holy Prophet (PBUH). They consider that Imamate (the leadership of Muslim community) is dependent in the descendants of Fatimah (AS).

The 5th article of this issue under the title "Role and Responsibilities of Women in the Protection of Religion" claims

that Islam has bestowed the women with dignity due to which a sense of pride and equality with men was created in women. That is why Muslims women always played a very important role in educational, political and social affairs and reforms. Islam has given women such greatness that the mention of Hazrat Adam (AS) is incomplete without the memory of Mother Hawa (AS). The sacrifice of Hazrat Ibrahim (AS) and Hazrat Ismail (AS) is incomplete without Hazrat Hagar (AS). The story of Hazrat Jesus (AS) is incomplete without the description of the purity and chastity of Hazrat Maryam (AS). Likewise, the story of the mission of the Holy Prophet Muhammad (PBUH) is incomplete while ignoring the role of *Umm al-Mu'minin* (the mother of believers) Hazrat Khadijah (AS). In the same way, the role of Hazrat Fatimah (AS) and Hazrat Zainab (AS) cannot be forgotten for the promotion and survival of Islam.

And this proves that the role of women in protecting religion is very important and she is also responsible in this regard. A religious society is nurtured in the lap of a woman. Therefore, it is important that women should have a better understanding of their role and responsibilities. Having awareness about their status and obligations, they can make the society a paradise with their positive role. To be able to bring up the children properly and play their role in the social reform movements and especially in the protection and promotion of the religion of Islam. In the present paper, the roles and responsibilities of women in the protection of religion have been highlighted in the context of *Karbala* incident. This article is a great guide for women of today.

The last paper of the current issue titled "*Al-Mahajjata Al-Bayzaa Fi Tahzeeb Al-Ahiya*: A Review" is related to the art of bibliography. This article introduces the best book of ethics, which is authored by *Mullah Mohsin Faiz Kashani*. According to the author, this book is actually a reformation and interpretation of *Imam Ghazali's* book "*Ihyaya Uloom al-Din*"

(احیاء علوم الدین). There are four parts of this book which contain the description of worship, habits, fatal and salvific deeds. Surely, the study of this book - inspired by the study of this paper - will also prove to be very helpful for us in the completion of *Makaram-e Akhlaq* (moral values).

We expect that the 59th serial issue of the Quarterly Research Journal *Noor-e- Marfat*, consisting of 6 scholarly, research articles, will also make our readers quench their thirst for knowledge and lead them on the path of goodness. We pray Allah almighty to bestow the best reward to the authors and journal’s team for this presentation and adorns our readers with the jewel of knowledge and insight. (آمین)!

Dr. Sheikh Muhammad Hasnain Nadir

Editor Quarterly *Noor-e-Ma'rfat*

NATIONAL ADVISORY BOARD

Dr. Humauoon Abbas
Islamic Studies Department, Govt. College University, Faisalabad.

Dr. Hafiz Tahir Islam
Islamic Studies Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Dr. Aafia Mehdi
Islamic Studies Department, National University of Modern Languages, Islamabad.

Dr. Syed Qandil Abbas
International Relations Department, Quaid-I-Azam International University, Islamabad.

Dr. Zahid Ali Zahidi
Islamic Studies Department, University of Karachi.

Dr. Muhammad Riaz
Islamic Studies Department, University of Baltistan, Skardu.

Dr. Muhammad Shakir
Psychology & Human Development Department, University of Bahawalpur.

Dr. Muhammad Nadeem
Ph.D. Education, Govt. Sadiq Egerton College Bahawalpur.

Dr. Raziq Hussain
Ph.D International Relations NoorulHuda Markaz-e Tehqeeqat. Islamabad.

INTERNATIONAL ADVISORY BOARD

Dr. Waris Matin Mazaheri.
Islamic Studies Department, Jamia Hamdard, New Delhi, India.

Dr. Syed Zawar Hussain Shah
Ph. D. Quranic Sciences and Hadith, Anjuman-e-Hussani, Oslo, Norway.

Dr. Syed Ammar Yaser Hamadani
Ph.D Quran & Law, Al Mustafa International University Iran.

Dr. Ghulam Raza Javidi
History Department, Katum-un-Nabieen University, kabul, Afghanistan.

Ghulam Jaber Mohammadi
Ph.D. Quran & Educational Sciences, Almustafa International University, Iran.

Dr. Ghulam Hussain Mir
Ph. D. Comparative Hadith Sciences, Almustafa International University, Iran.

Dr. Shahla Bakhtiari
History Department, Alzahra University, Tehran, Iran.

Dr. Faizan Jafar Ali
Urdu & Persian Organization Pura Maroof Mau U.P. India.

Editor-in-Chief & Publisher:
Syed Hasnain Abbas Gardezi
Chairman Noorul Huda Trust, Islamabad.

. MANAGERIAL BOARD

Editor:
Dr. Muhammad Hasnain Nadir
Ph.D. Islamic Theology & Philosophy, NoorulHuda Trust®, Islamabad.
Asst. Editor:
Dr. Nadeem Abbas Baloch
Ph.D. Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad.
Asst.Research Affairs:
Dr. Muhammad Nazir Atlasi
Ph.D. Quranic Sciences, Jamia-tu-Raza Registered, Islamabad.
Advisor to Editor:
Dr. Sajid Ali Subhani
Ph.D. Arabic literature, Jamia-tu-Raza Registered, Islamabad.
IT Supervisor:
Dr. Zeeshan Ali
Ph.D. Computer Sciences.
IT Co-ordinator:
Fahad Ubaid
MS(CS).

EDITORIAL BOARD

Dr. Hafiz Muhammad Sajjad
Islamic Studies Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
Dr. Ayesha Rafique
Islamic Studies Department, Gift University, Gujranwala.
Dr. Abdul Basit Mujahid
History Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
Dr. Roshan Ali
Islamic Studies Department, IMCB, Islamabad.
Dr. Karam Hussain Wadhoo
Islamic Culture Department, Regional Directorate of Colleges, Larkana.
Dr. Ali Raza Tahir
Philosophy Department, Punjab Univeristy, Lahore.
Dr. Zulfiqar Ali
History, NoorulHuda Markaz-e Tehqeeqat.
Dr. Syed Nisar Hussain Hamdani
Ph.D. Economics, (Divine Economics), Chairman Hadi Institute Muzaffarabad AJK.

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol. 14 Issue: 1 Serial Issue: 59

Jan. to Mar. 2023 (Jamadi Sani to Shaban ul Muzam 1444 Hijri)

Applied for Recognition by:
Higher Education Commission, Pakistan

Editor

Dr. Muhammad Hasnain

ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-1002-153X

E-mail: editor.nm@nmt.org.pk+noor.marfat@gmail.com

Publisher: **Noor Research and Development (Privte.) Limited.**

Indexed in

www.australianislamiclibrary.org/noor-e--marfat.html

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/?page_id=37857

https://www.archive.org/details/@noor-e-marfat

https://www.tehqeeqat.org/urdu/journalDetails/132

https://www.ebsco.com/

https://orcid.org/0000-0001-593-4436

Applied for Indexation

https://www.brill.com

https://www.noormag.ir

https://www.almanhal.com

https://www.scienceopen.com

https://www.aiou.academia.edu/NooreMarfat

https://www.scholar.google.com/

Websites

http://nooremarfat.com

https://www .nmt.org.pk/

Composer & Designer: **Babar Abbas**

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol. 14 Issue: 1 Serial Issue: 59 Jan. to Mar. 2023

- **Zaydia: A Brief Introduction**
- ***Al-Mahajjata Al-Bayzaa Fi Tahzeeb Al-Ahiya*: A Review**
- **Iqbal and Sufism: Clearing up Some Misunderstandings**
- **Role and Responsibilities of Women in the Protection of Religion**
- **The Foundation of Islamic Civilization in the Holy Prophet's Biography**
- **The Impact of Allah Almighty's Love & Non-Love upon the Social and Moral Upbringing of a Muslim Society**

Publisher: Noor Research and Development (Private) Limited